

SEPTEMBER 2023 صفر ۱۴۴۵ھ

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماهنامه

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۹ شمارہ نمبر ۵

صفر ۱۴۴۵ھ ستمبر ۲۰۲۳ء

زر تعاون

فی شمارہ	۳۰ روپے
سالانہ زر تعاون	۳۰۰ روپے
بیرون ملک سالانہ	۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے،
آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/ تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ ۱۰/ تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

موجودہ حالات میں ہمارے لئے اسوۂ نبوی

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ربیع الاول کا مبارک مہینہ شروع ہونے والا ہے، اس مہینہ میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی گویا انسانیت کی سوکھی کھیتی کے لیے ابر باراں میسر آ گیا۔ آپ کی ولادت باسعادت انسانیت کے لیے عظیم دولت ونعمت اور اللہ کی طرف سے بہت بڑا انعام واحسان ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں عالم انسانیت کی فضاء روحانی میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوا مولانا ابوالکلام آزادؒ نے لکھا کہ

"آپ کی ولادت باسعادت گویا رحمت الٰہی کی بدلیوں کی ایک عالم گیر نمود تھی، جس کے فیضان عام نے تمام کائنات کو سرسبزی وشادابی کی بشارت سنائی، اور زمین کی خشک سالی کا دور ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا، آپ کی ولادت باسعادت ہدایت الٰہی کی تکمیل تھی، شریعت ربانی کے ارتقاء کا آخری مرتبہ تھا، یہ سعادت بشری کا آخری پیام تھا، یہ وراثت ارضی کی آخری بخشش تھی"

اس لیے کہ سارے عالم کے لیے رحمت ورافت کا مجسم پیکر بن کر ہادئ عالم، داعئ اعظم، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

مسلمانوں کے لیے خوشی ومسرت کا مقام ہے کہ ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے عالم انسانیت کو ضلالت کی تاریکیوں کے بجائے ہدایت کی روشنی ملی، جہل کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے افراد کو علم وآگہی میسر آ گئی، گلشن آدم سنور گیا،

جہل کی ہر زنجیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
پھر سے سنوارا گلشن آدم صلی اللہ علیہ وسلم

نبی رحمت، رسول کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی آفاقیت کی گواہی قرآن کریم کی یہ آیات مبارکہ بھی دیتی ہیں اورخود زبان رسالت سے بھی اس کے شواہد موجود ہیں:

۱—وَمَاأَرْسَلْنَاکَ اِلاَّرَحْمَةًلِّلْعَالَمِیْنَ۔(الانبیاء۱۰۷)

اورہم نے آپ کوسارے جہاں کے لئے رحمت بنا کربھیجا ہے۔

۲—وَمَاأَرْسَلْنَاکَ اِلاَّ کَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِیْراً وَّنَذِیْراً وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاس لاَیَعْلَمُوْنَ۔(نبا۲۸)

اوراے رسول ہم نے تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والااور ڈرانے والا بنا کربھیجا ہے اورلیکن اکثرلوگ اس (حقیقت) کونہیں جانتے۔

۳—رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اُرْسِلْتُ إلى الخلق كافةً وخُتِمَ بِیَ النَبِیُّوْنَ۔(رواہ مسلم فی باب فضائل سید المرسلین) کہ میں تمام مخلوق کے لئے رسول بنا کربھیجا گیااور مجھ پرنبیوں کا سلسلہ بند کردیا گیا۔

جب ہم اپنے اس دور کوآئینہ سیرت میں دیکھتے ہیں تو اُس دور کاعکس بھی ملتاہے اوران تمام سماوی آفات،زمینی حوادث اورانسانوں کی خاص کردشمنان اسلام کی رسالت ونبوت کے خلاف سازشوں،اسلام اوراس کے ماننے والوں کے تئیں نفرتوں اورعداوتوں کے اشارے بھی ملتے ہیں۔نیزوہ حالات بھی صاف نظر آرہے ہیں جب کہ ہرچہار جانب سے مسلمانوں پرنفرتیں برس رہی ہیں،ہرسمت سے اسلام کے خلاف یلغارہورہی ہے۔

غزوہ خندق جس کوغزوہ احزاب بھی کہاجاتاہے اس میں تمام مشرک قبائل نے اتحاد بنا کر مدینہ پرحملہ کیا تھااس موقع پرآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف مسلمانوں میں ایمانی جوش وخروش پیدا کیا بلکہ خندق کی کھدائی میں بذات خود حصہ لیا،سخت سردی کے ایام میں کئی کئی وقت کافاقہ کرتے ہوئے خندق بھی کھودی گئی اورسخت ترین جنگ بھی لڑی گئی شجاعت وبہادری، صبرواستقامت کا جونمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ کے دنوں میں پیش کیااس کوصحابہ

کرام نے اپنا اسوہ بنایا، ان کے قدم نہیں ڈگمگائے ،دلوں میں ذرہ برابر خوف نہیں پیدا ہوا، بھوک کی شدت کم کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے پیٹوں پر پتھر باندھ لئے تا کہ کمر سیدھی رہے اور بھوک کا احساس بھی کم سے کم ہو جب کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شکم مبارک پر دو عدد پتھر باندھے تھے یعنی آپ کا فاقہ صحابہ کے فاقہ سے بڑا ہوا تھا۔

غزوہ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح اسوہ بن کر سامنے آئے ہیں جس طرح غزوہ بدر واُحد کے ہر موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اسلام کے دفاع، ایمان باللہ و عقیدۂ توحید کی بقاو حفاظت کے لئے نہ صرف تیار بلکہ متحد بھی رکھا،غزوہ خندق میں یہودیوں کی خفیہ سازش وچالبازی پر گہری نظر تھی اور غزوۂ اُحد میں منافقین کے دوغلے پن پر بھی آپ نے صحابہ میں احساس کمتری اور مایوسی نہیں پیدا ہونے دی بلکہ ہزیمت سے دوچار زخم خوردہ صحابہ میں ایمانی جذبہ کو محفوظ رکھا یہاں تک کہ جب خاص شرط کے ساتھ ابوسفیان کے تعاقب میں جانے کا حکم الٰہی آیا تو وہی مجاہدین صحابہ جو ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ اُحد سے مدینہ آئے تھے اپنے ستر جانبازوں کی شہادت کا غم لئے ہوئے تھے سیدنا ابو حمزہ کی دردناک شہادت سے خود دلِ رسول حزن وملال سے خستہ تھا کاشانہ رسالت پر فضا سوگوار تھی، پھر آپ نے صبر واستقامت اور شجاعت وبسالت کے ساتھ حکمت عملی اختیار کرنے، مسلمانوں میں دینی حمیت اور ایمانی غیرت کو قائم رکھنے میں عملی نمونہ پیش کیا، آپؐ نے یہ دکھایا کہ جب حالات نامساعد اور ماحول رنجیدہ ہو تب بھی سب سے اولین عمل ایمان کی حفاظت ہے، ملی وحدت کی بقا ضروری ہے اور اللہ و رسول کی اطاعت ہی سے راہ نجات حاصل ہو سکتی ہے۔

رسالت محمدی کی یہی آفاقیت اور اسوہ حسنہ کی ابدیت آج ہمارے لئے راہ عمل بنتی ہے کیونکہ ہم نے جب بھی کامیابی وکامرانی کہیں بھی حاصل کی ہے اسی ذات سراپا رحمت کو اسوۂ عمل بنا کر، یہی مسلمانوں کی تاریخ رہی ہے۔

لہٰذا آج جب کہ مسلمانان عالم جہاں بھی ہیں دشمنوں کی فتنہ انگیزی اور عداوت ونفرت کا سامنا کررہے ہیں، طرح طرح سے اسلام کو کمزور کرنے اور مسلمانوں کو شکست خوردہ بنانے میں سرگرم دشمنان دین حنیف نئے نئے حربے استعمال کررہے ہیں، خاص ہندوستان میں مسلمانوں کو ہر دن نفرت کا شکار بننا پڑتا ہے، حکومتی اداروں میں بھی اور سماجی ماحول میں بھی ان سے نفرت کا برتاؤ اب عام سی بات ہے، یہاں تک کہ امن عامہ قائم رکھنے والے خود مسلمانوں کی شناخت کر کے ان کو ایذاء اور تکلیف ونقصان پہونچانے

میں بالکل دریغ نہیں کرتے ،اسکول کے اساتذہ بھی معصوم غیر مسلم بچوں میں نفرت کا بیج بو رہے ہیں، عدالتوں میں نفرت کا زہر پھیل چکا ہے،فسادات کرانے کے طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کئے جارہے ہیں،مسلمانوں کے عقیدہ اوران کی شریعت پر زبانی اورقانونی حملے کئے جارہے ہیں،مسجدوں کو مندروں میں تبدیل کرنے کی کوشش کررہے ہیں،نہ اخلاق واقدار باقی ہیں نہ ہی انسانیت اورآدمیت باقی ہے،آپ کوستانے اورآپ کی ماب لنچنگ کرنے کے لئے بس مسلمان ہونا کافی ہے۔

جب ایسی صورت حال سامنے ہوتو وہی بدرواحد اورغزوہ احزاب کی ایمانی حرارت اوردینی حمیت لازمی ہے وہی مردانگی و جوانمردی، وہی شجاعت وبسالت اورحکمت عملی اوردفاعی سیاست ضروری ہے جورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی تھی اورصحابہ کرام نے اسی کواختیار رکھا تھا۔

رسول کائنات کی رسالت کا یہ پیغام آج بھی اسی طرح تازہ ہے اورخداوندقدوس کا فرمان زندہ جاوید ہے۔**ان تنصر اللہ ینصر کم ویثبت اقدامکم** اگرتم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اورتمہارے قدموں کو جمادے گا اورتم کو بھی اس وقت ڈرانے،دھمکانے کی پالیسی کے جواب میں یہی کہنا ہے۔**حسبنا اللہ و نعم الو کیل**،اورعملی طور پر اسی کوپیش کرنا ہے۔

موجودہ حالات اورموجودہ زمانہ میں مسلمانوں کوانتہائی حکمتِ عملی سے کام لینے کی ضرورت ہے،اسوۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوسامنے رکھتے ہوئے بڑی بردباری اورتحمل کا مظاہرہ کرنا ہوگا، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے اولوالعزم جانثار صحابہ کے جذبۂ اطاعت وخودسپردگی کوسامنے رکھنا ہوگا،میدانِ کارزار سجانے کے بجائے زمینی سطح کواپنے حق میں استوار کرنا ہوگا اوراخلاق وکردار کی بلندیوں پراپنے آپ کومتمکن کرنا ہوگا ،ایمانی حرارت اوردینی بسالت اپنے اندر پیدا کرنی ہوگی،اسلامی احکامات اوراوامر الٰہی کواپنی زندگیوں میں داخل کرنا ہوگا اوربقول اقبال مرحوم

سبق پھر پڑھ صداقت کا ،عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

پرکاربند ہونا پڑے گا،یہی اسوۂ نبوی پر عمل پیرا ہونے کا تقاضا اورماہِ ربیع الاول کا پیغام ہے۔

درسِ قرآن

ایمان کی جڑیں مضبوط ہونی چاہئیں

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری
استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللهُ الظّٰلِمِينَ وَيَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَاءُ ﴿۲۴ تا ۲۷ سورۃ ابراہیم﴾

آپ نے دیکھا کیسی بیان کی اللہ نے مثال کلمہ طیبہ کی کہ وہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ مضبوط، شاخیں بہت اوپر، وہ اپنے رب کے فرمان کے مطابق ہر موسم میں پھل دیتا ہے، اللہ تعالی مثالیں اس لئے بیان فرماتا ہے تاکہ خوب سمجھ لیں، اللہ تعالی پکی بات کے طفیل ایمان والوں کو دنیا وآخرت میں مضبوط رکھتا ہے اور ظالموں کو بچلا دیتا ہے، اللہ تعالی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (کسی کو ایمان کی توفیق دیتا ہے اور کسی کو توفیق ایمان سے محروم رکھتا ہے)۔

تشریح توضیح:

بعض معنوی چیزیں دقیق وغامض ہوتی ہیں، آسانی سے سمجھ میں نہیں آتیں، ایسی معنوی چیزوں کو محسوس چیزوں کے ذریعہ بطور مثال سمجھایا جاتا ہے، کیونکہ مثال اوقع فی النفس ہوتی ہے، مثال سے بات جلد سمجھ میں آجاتی ہے، لأن في ضرب الامثال زيادة افهام وتذكير وتصوير للمعاني (تفسیر الکشاف ۲/۳۷۶) ایمان و اعمال بھی ایسی ہی دقیق وغامض چیزیں ہیں، اس لئے آیت ۲۴، ۲۵، میں مومن اور اس کے اعمال کو درخت اور اس پر لگنے والے پھلوں کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے اور آیت ۲۷ میں اس کلمہ کے فوائد کا بیان ہے۔

بارآور، پھلدار اور عمدہ درخت وہ ہوتا ہے جس میں مندرجہ ذیل صفات موجود ہوں۔

۱ــ درخت کا تنہ مضبوط ہو۔ اور تنہ کی مضبوطی کا تعلق جڑوں کی گہرائی سے ہوتا ہے، درخت کی جڑیں، رگیں جتنی گہری اور دور تک پھیلی ہوئی ہوں گی درخت اتنا ہی زمین میں موجود پانی کے چشموں سے سیراب ہوگا اور درخت جتنا زیادہ سیراب ہوگا اتنی ہی اسے مضبوطی اور استحکام حاصل ہوگا اور طوفانی

ہواؤں کے جھکڑ بھی اسے جڑ سے نہ اکھاڑ سکیں گے۔

۲— درخت کی چوٹی، شاخیں، بلند و سطح زمین سے اونچائی پر ہوں، کیونکہ پھل عموماً شاخوں پر ہی لگتے ہیں تو اس درخت کے پھل بھی اونچائی پر ہی لگیں گے اور زمین کی کثافتوں، اٹھنے والی بدبو، اڑنے والے گرد و غبار سے اس درخت کے پھل دوسرے پھلوں کی بہ نسبت محفوظ وعمدہ ہوں گے

أَنَّهَا مَتٰى كَانَتْ مُتَصَاعِدَةً مُرْتَفِعَةً كَانَتْ بَعِيدَةً عَنْ عُفُونَاتِ الْأَرْضِ وَقَاذُورَاتِ الْأَبْنِيَةِ فَكَانَتْ ثمراتها نَقِيَّةً ظَاهِرَةً طَيِّبَةً عَنْ جَمِيعِ الشَّوَائِبِ. (تفسیر الرازی ۹۰/۷)۔

۳— درخت ہر سال وہر موسم میں پھل دیتا ہو، بعض درخت کسی موسم میں پھل دیتے ہیں کسی میں نہیں، یہ درخت میں ایک قسم کا نقص اور مالک کا نقصان ہے جبکہ عمدہ درخت کی صفت یہ ہے کہ درخت ہر سال وہر موسم میں پھل دیتا ہو جو اللہ تعالی نے اس کے پھل دینے کا وقت مقرر فرمایا ہے **تعطى ثمرها كل وقت وقته الله لاثمارها.** (الکشاف ۳۷۶/۲)۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ مذکورہ صفات سے متصف درخت، کھجور کا ہے، اس کا تنہ مضبوط، جڑیں گہری، پھل چوٹی پر لگتا ہے اور درخت پورے سال پھلوں سے لدا رہتا ہے۔

یہی حال کلمہ طیبہ ”لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ“ کا ہے، (اس کلمہ کو ”کلمۃ الاخلاص، کلمۃ الایمان، کلمۃ الاسلام، کلمۃ التقوی“ وغیرہ ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے) کلمہ طیبہ بھی کھجور کے درخت کے مانند نہایت مضبوط ہے کیونکہ اس کی جڑیں بھی قلب مؤمن میں راسخ، جاگزیں ہیں ان **كلمة الاخلاص شديدة الثبوت فى قلب المؤمن كثبوت اصل النخلة** (تفسیر الخازن) جو مضبوط ونہایت مستحکم ہے کہ دنیا کے حوادث، عہدوں کے لالچ، مال کی حرص اور حبائل الشیطان (عورتیں) بھی اس کو ڈگمگا نہیں سکتے۔

حضرت زکریا، حضرت یحیٰ، حضرت شمعون، اصحابِ اخدود (جن کو یمن کے علاقہ میں آگ کی خندقیں کھود کر ڈال دیا گیا تھا) بلال وصہیب، عمار و یاسر، خباب بن الارت وغیرہ وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں کہ یہ حضرات مضبوطی کے ساتھ اپنے ایمان پر جمے رہے۔

اور کلمہ طیبہ کی بدولت اعمال صالحہ واخلاق فاضلہ صادر ہو کر بارگاہ خداوندی میں پہونچتے ہیں جو آسمان کو چھوتی کھجور کی شاخوں کی مانند ہیں **وَمَا يَصْدُرُ عَنْهَا مِنَ الْأَفْعَالِ الزَّكِيَّةِ وَالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ هُوَ فَرْعُهَا يَصْعَدُ**

إِلَى السَّمَاءِ إِلَى اللهِ تَعَالَى: إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ. (البحر المحیط) اوراس کلمہ کی برکت سے مومن کواس کے تمام اعمال کا ہمہ وقت ثواب ملتا ہے۔ (وَ مَا يَتَرَتَّبُ عَلَى ذَٰلِكَ الْعَمَلِ وَ هُوَ ثَوَابُ اللهِ هُوَ جَنَاهَا) حوالہ بالا۔

اورکلمہ طیبہ پر ایمان رکھنے والے کی جس طرح دنیا میں اللہ کی طرف سے مدد ہوتی ہے کہ وہ مرتے دم تک اس کلمہ پر قائم رہتا ہے خواہ کتنا ہی سخت امتحان ہو، کیسی ہی آفات وحوادث آئیں، اسی طرح آخرت وبرزخ میں بھی اس کی مدد کی جاتی ہے کہ منکر نکیر کے سوال وجواب کے وقت یہ کلمہ توحید ان کی پامردی واستقامت کا ذریعہ بنتا ہے۔

صحیحین کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ آخرت سے یہاں عالم برزخ یعنی قبر مراد ہے کہ مؤمن کلمہ طیبہ کی برکت سے منکر نکیر کے سوال وجواب کے وقت بتائید ربانی اس کلمہ پر قائم رہے گا اوراس کی شہادت دے گا۔

اورکافر، فاجر، بدعمل، صحیح جواب نہ دینے کی وجہ سے قبر یعنی برزخ میں ہی عذاب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

نوٹ: کافر مشرک اہل عرب بھی اپنے مردوں کو قبر میں دفن کرتے تھے اس لئے سمجھانے کے لئے قبر کا نام لیا گیا ہے ورنہ مراد برزخ ہے، تو کافر، فاجر، بدعمل آدمی مرتے ہی عذاب میں مبتلا ہوتا ہے خواہ اس کو دفن ہی نہ کریں یا اس کو نذر آتش کردیا جائے یا غرقاب کیا جائے۔

عذاب قبر

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو دو سیاہ فام نیلی آنکھوں والے فرشتے اس کے پاس آتے ہیں ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نکیر ہے۔ دونوں فرشتے پوچھتے ہیں: تو اس شخص کے متعلق کیا کہتا ہے تو وہ شخص جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اوراس کے رسول تھے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں ہم تو جانتے ہی تھے کہ تو یہی کہے گا۔ پھر اس کی قبر میں ہر طرف ستر ستر ہاتھ وسعت کردیجاتی ہے اور روشنی کردیجاتی ہے اور کہا جاتا ہے سو جا۔ پھر وہ کہتا ہے میں واپس جا کر اپنے گھر والوں کو (اس کیفیت کی) اطلاع تو دے دوں؟ فرشتے کہتے ہیں: دلہن کی طرح (محبت، آرام اور سکون کے ساتھ) سو جا جس کو اور کوئی نہیں اٹھاتا سوائے اس شخص کے جس کو وہ پیاری ہوتی ہے (وہ سو جائے گا) یہاں تک کہ اللہ اس کو اس کی خواب گاہ سے اٹھائے گا۔

اور اگر مردہ منافق ہوگا تو وہ جواب دے گا: میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تھا، میں نے بھی

ویسے ہی کہہ دیا مجھے کچھ معلوم نہیں (کہ یہ اللہ کے رسول تھے یا نہیں) فرشتے کہیں گے کہ ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ تو یہ بات کہے گا۔ پھر زمین کو حکم دیا جائے گا تو اس پر مل جا (یعنی ایسا دبا کہ دونوں حصے آپس میں مل جائیں) زمین اس منافق کو اتنا دبائے گی کہ اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر نکل جائیں گی۔ اس طرح یہ برابر عذاب میں مبتلا رہے گا یہاں تک کہ اللہ اس کو اس کی خواب گاہ سے اٹھائے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ، أَوْ قَالَ: أَحَدُكُمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ، يُقَالُ لأَحَدِهِمَا: الْمُنْكَرُ، وَلِلآخَرِ: النَّكِيرُ، فَيَقُولاَنِ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ: مَا كَانَ يَقُولُ: هُوَ عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ، أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فَيَقُولاَنِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هَذَا، ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ، ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ، نَمْ، فَيَقُولُ: أَرْجِعُ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ، فَيَقُولاَنِ: نَمْ كَنَوْمَةِ العَرُوسِ الَّذِي لاَ يُوقِظُهُ إِلاَّ أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ، حَتَّى يَبْعَثَهُ اللهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِكَ، وَإِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ: سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ، فَقُلْتُ مِثْلَهُ، لاَ أَدْرِي، فَيَقُولاَنِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ ذَلِكَ، فَيُقَالُ لِلأَرْضِ: الْتَئِمِي عَلَيْهِ، فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ، فَتَخْتَلِفُ فِيهَا أَضْلاَعُهُ، فَلاَ يَزَالُ فِيهَا مُعَذَّبًا حَتَّى يَبْعَثَهُ اللهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِكَ۔ (سنن الترمذی رقم: ۱۰۷۱)

(۲) حضرت براء بن عازب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے (ایک سلسلہ کلام میں مردہ کے سوال و جواب اور عالم برزخ یعنی قبر کے ثواب و عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ (اللہ کا مومن بندہ اس دنیا سے منتقل ہو کر جب عالم برزخ میں پہونچتا ہے یعنی قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو) اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، پھر پوچھتے ہیں کہ یہ آدمی جو بحیثیت نبی تم میں بھیجا گیا تھا (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ کہتا ہے وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، فرشتے کہتے ہیں کہ تمہیں یہ بات کس نے بتلائی؟ (یعنی تمہیں ان کے رسول ہونے کا علم کس ذریعہ سے ہوا؟) وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی (اس سے مجھے پتہ چلا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں) تو میں ایمان لایا، اور میں نے ان کی

تصدیق کی۔(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) مومن بندہ کا یہی جواب ہے، جس کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سچی پکی بات (صحیح عقیدہ) کی برکت سے ثابت قدم رکھے گا، یعنی دنیا میں وہ اس کلمہ کی برکت سے گمراہی سے محفوظ رہتے ہیں، اور برزخ میں عذاب سے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسم نے فرمایا کہ (مومن بندہ فرشتوں کے مذکورہ بالا سوالات کے جب اس طرح ٹھیک ٹھیک جوابات دیدیتا ہے) تو ایک ندا دینے والا آسمان سے ندا دیتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے اعلان کرایا جاتا ہے) کہ میرے بندے نے ٹھیک بات کہی، اور صحیح صحیح جوابات دیئے، لہٰذا اس کے لئے جنت کا بستر کردو، اس کو جنتی لباس پہناؤ اور اس کے لئے جنت کی طرف کا دروازہ کھول دو، چنانچہ وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس سے جنت کی خوش گوار ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں، اور قبر اس کے لئے منتہائے نظر تک وسیع کردی جاتی ہے (یعنی پردے اس طرح اٹھادئے جاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی نگاہ جائے، وہ جنت کی بہاروں اور اس کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتا رہے۔ یہ حال تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرنے والے سچے اہل ایمان کا بیان فرمایا)۔

اسکے بعد ایمان نہ لانے والے (کافر) کی موت کا ذکر آپ نے کیا اور فرمایا کہ اس کی روح (مرنے کے بعد) اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس بھی دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں، اور اس سے بھی پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا، پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا تھا؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا۔ پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ آدمی جو تمہارے اندر (بحیثیت نبی کے) مبعوث ہوا تھا، تمہارا اس کے بارے میں کیا خیال تھا؟ وہ پھر بھی یہی کہتا ہے: ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا۔

(اس سوال وجواب کے بعد) آسمان سے ایک ندا دینے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارتا ہے کہ اس نے جھوٹ کہا (یعنی اس نے فرشتے کے سوال کے جواب میں اپنا انجان اور بے جرم ہونا جو ظاہر کیا، یہ اس نے جھوٹ بولا، کیونکہ واقعہ میں وہ اللہ کی توحید کا، اس کے دین اسلام کا، اس کے رسول برحق کا منکر تھا)۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی اعلان کرے گا کہ اس کے لئے دوزخ کی جانب کا دروازہ کھول دو (چنانچہ دوزخ کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (دوزخ کے اس

دروازے سے)اس کو برابر دوزخ کی گرمی، دوزخ کی لپٹیں اور جلانے، جھلسانے والے بھپکارے اس کے پاس آتے رہتے ہیں۔اور اس کی قبر اس پر نہایت تنگ کردی جائے گی جس کی وجہ سے (اتنا دباؤ پڑے گا کہ) اس کے سینے کی پسلیاں ادھر سے ادھر نکل جائیں گی، پھر عذاب دینے کے لئے اس پر ایسا فرشتہ مسلط کیا جائے گا، جو نہ کچھ دیکھے گا، نہ کچھ سنے گا، اس کے پاس لوہے کا ایسا گرز (گھن) ہوگا کہ اگر وہ کسی بڑے پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ بھی مٹی ہوجائے، وہ فرشتہ اس گرز (گھن) سے اس کو مارتا ہے، جس سے وہ اس زور سے چیختا ہے کہ جن وانس کے علاوہ سب چیزیں اس کی چیخ سنتی ہیں، اس کی مار سے وہ خاک ہوجاتا ہے، اس کے بعد اس میں پھر روح ڈالیجاتی ہے (اور تاقیامت اسی طرح عذاب میں مبتلا رہے گا)۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللهُ، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: دِينِيَ الْإِسْلَامُ، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟ قَالَ: فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُولَانِ: وَمَا يُدْرِيكَ؟ فَيَقُولُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللهِ فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ: فَذَلِكَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا الْآيَةَ - قَالَ: فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ قَدْ صَدَقَ عَبْدِي، فَأَفْرِشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَأَلْبِسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ، قَالَ: فَيَأْتِيهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيبِهَا، قَالَ: وَيُفْتَحُ لَهُ فِيهَا مَدَّ بَصَرِهِ، قَالَ: وَإِنَّ الْكَافِرَ فَذَكَرَ مَوْتَهُ قَالَ: وَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ، وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ: لَهُ مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: هَاهْ هَاهْ، لَا أَدْرِي، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: هَاهْ هَاهْ، لَا أَدْرِي، فَيَقُولَانِ: مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: هَاهْ هَاهْ، لَا أَدْرِي، فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ كَذَبَ، فَأَفْرِشُوهُ مِنَ النَّارِ، وَأَلْبِسُوهُ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ قَالَ: فَيَأْتِيهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُومِهَا قَالَ: وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتَّى تَخْتَلِفَ فِيهِ أَضْلَاعُهُ۔

زَادَ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ قَالَ: ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهُ أَعْمَى أَبْكَمُ مَعَهُ مِرْزَبَّةٌ مِنْ حَدِيدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا قَالَ: فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيرُ تُرَابًا قَالَ: ثُمَّ تُعَادُ فِيهِ الرُّوحُ: (سنن ابی داود کتاب السنۃ، رقم: ۴۷۵۳)

پیغام:

عذاب قبر برحق ونہایت سخت چیز ہے، اللہ تعالی سب کی حفاظت فرمائے، اعاذنا اللہ منہ، اس کی

ہولناکی کا جن کو استحضار ہے ان کا دن کا سکون، رات کی نیند حرام ہوجاتی ہے۔

حضرت عثمانؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے کہ ریشِ مبارک تر ہوجاتی، کسی نے پوچھا: کہ آپ جنت، دوزخ کے ذکر سے اتنا نہیں روتے جتنا قبر کے سامنے آجانے سے روتے ہیں؟۔آپ نے ارشاد فرمایا: کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے، جو شخص اس سے نجات پالے، اس کی بعد کی سب منزلیں آسان ہوجاتی ہیں اور جو اس سے نجات نہ پائے، بعد کی منزلیں دشوار ہوجاتی ہیں۔

بعدہٗ حضرت عثمانؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد سنایا: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماتے تھے کہ میں نے کوئی منظر قبر سے زیادہ گھبراہٹ والا نہیں دیکھا (**ما رأیت منظراً قط الا و القبر افظع منه**، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات مجھے یاد آجاتے ہیں، اور فکر وغم میں مبتلا کر کے مجھے رلاتے ہیں۔

پیشاب میں بے احتیاطی جیسے بعض گناہوں کو عذاب قبر ہونے میں خاص دخل ہے، اسی طرح اس سے بچنے میں بھی بعض عبادات کو خصوصی شرافت حاصل ہے، ان میں سورۂ ملک کا پڑھنا اور کلمۂ طیبہ کی کثرت بھی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا: کہ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذاب قبر سے زیادہ بچانے والا نہیں ہے۔ (**ماعَمِلَ آدمیٌ عَمَلاً اَنجی لَهُ مِنْ عَذابِ الْقَبرِ مِن ذِکْرِ اللّٰہ مسند احمد**۔) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے، اس کو بھی اپنے معمولات میں داخل کرنا چاہیے۔

انوارِ حدیث

جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

خواتین کے ساتھ بھلائی کی وصیت

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يُؤذي جارَه واستوصُوا بالنساء خيراً فإنهن خُلِقْنَ من ضِلَعٍ وإنَّ أعوجَ شيءٍ في الضِلَع أعلاه فإن ذَهبتَ تُقِيمُه كسَرْتَه وإن تركْتَه لم يزَلْ أعْوَجَ فاستوصُوا بالنساء خيراً۔

(رواه البخاري في النكاح باب الوصاة بالنساء ۲/۷۷۹، ومسلم ۱/۴۷۵ في آخر كتاب الرضاع، وفيه: "فإذا شهد أمراً فليتكلَّم بخير أو لِيَسْكُتْ" بدل قوله: "فلا يؤذي جاره"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ پہونچائے (اور مسلم کی روایت میں اس کے بجائے یہ ہے کہ: جب کوئی امر دیکھے تو بھلی بات کہے یا خاموش رہے) اور تم لوگوں کو عورتوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں لہٰذا ان کے بارے میں میری وصیت قبول کرو کیوں کہ انہیں پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلیوں میں سب سے ٹیڑھی ان میں اوپر والی ہے، اس لیے اگر تم اسے سیدھی کرنے چلو گے تو اسے توڑ ڈالو گے، اور اگر تم اسے چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، لہٰذا تم لوگ عورتوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت اور حکم کو مانو اور اس پر عمل کرو۔ (بخاری ومسلم)

اسی حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے سامنے نرمی، خیر خواہی، لطف ومہربانی اور خاطر داری کی وصیت فرمائی ہے، چوں کہ قدرت نے عورتوں کی فطرت اور خلقت میں ایک خاص قسم کی کجی اور جھکاؤ رکھا ہے جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے اشارہ فرمایا کہ "عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے" نیز یہ اصل خلقت کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے کہ "حضرت آدم علیہ السلام سو رہے تھے اسی حال میں ان کی بائیں چھوٹی پسلی سے حضرت حواء علیہا السلام کو پیدا کیا گیا" لہٰذا عورت کے اندر اپنی اصل خلقت کے لحاظ سے یہ کجی باقی رہتی ہے اس لیے ایسا نہیں ہوسکتا

کہ اس کی تمام باتیں مرد کے مزاج کے بالکل موافق ہوجائیں بلکہ اس کی کچھ چیزیں مرد کے مزاج کے خلاف ضرور ہوں گی اس لیے اسے برداشت کرنا چاہئے، اور اسی کمی و کجی کے باوجود عورت کے ساتھ اچھا برتاؤ، نرمی اور ملاطفت کے ساتھ پیش آنے کی وصیت فرمائی جارہی ہے اور حکم دیا جارہا ہے۔

اور اس حدیث میں یہ بھی بتادیا گیا کہ اگر تم عورت کو بالکل سیدھا کرنے کی کوشش میں زیادہ سختی کروگے تو پسلی کی ہڈی کی طرح وہ بالکل سیدھی تو نہیں ہوگی البتہ ٹوٹ جائے گی یعنی نوبت طلاق اور جدائیگی تک پہونچ جائے گی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**إن المرأة خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تستقيم لکَ على طريقةٍ فإن استمتعت بها استمتعت بها وبها عِوَجٌ وإنْ ذهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَها وكَسْرُها طَلاقُها**'' (رواہ مسلم ۱/۴۷۵)

بلاشبہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے وہ تمہارے لیے کسی ایک طریقے پر ہرگز سیدھی نہیں رہ سکتی، اس لیے اگر تم اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہو تو اس کجی کے ساتھ ہی فائدہ اٹھاسکتے ہو، اور اگر تم اسے سیدھی کرنے لگوگے تو توڑ ڈالوگے، اور اس کا توڑنا اس کی طلاق ہے۔ (مسلم)

اگر مرد کو عورت کی کوئی بات ناپسند ہو یا اس کی کوئی عادت اور خصلتنا گوار ہو تو اس کی وجہ سے اس سے متنفر نہیں ہوجانا چاہئے بلکہ اس کے اندر جو خوبیاں اور اچھائیاں ہیں انہیں سوچنا اور دیکھنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کا اس ارشاد کے ذریعہ حکم فرمایا ہے: **لايَفْرَكْ مؤمِنٌ مؤمِنَةً إنْ كَرِهَ مِنْهاَ خُلُقًا رَضِيَ مِنْها آخَرَ، أو قال غيرَه**'' (رواہ مسلم من حدیث أبی ہریرۃ ۱/۴۷۵)

ایک ایمان والے مرد کو ایمان والی عورت سے نفرت نہیں کرنی چاہئے اگر اس کی ایک خصلت ناپسند ہوگی تو دوسری پسند بھی ہوگی۔ (مسلم)

بہر حال مرد کو عورت کے بالکل سیدھا ہونے کی طمع چھوڑ دینا چاہئے بلکہ اسے بالکل درست کرنے کی کوشش بسااوقات اسے مزید بگاڑ دیتی ہے، اور غور کیا جائے تو عورت کے اخلاق میں بعض کجی اور نازنخرے وغیرہ یہ اس کے اندر عیب نہیں ہیں جیسا کہ پسلی کی ہڈی میں ٹیڑھاپن عیب نہیں سمجھا جاتا۔

حدیث شریف کے اس جملہ: ''پسلی میں اوپر کا حصہ سب سے ٹیڑھا ہے'' کی تشریح میں علماء کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد عورت کی زبان ہے، اور یہی زبان جب اس کا کبھی غلط استعمال ہوتا ہے تو سب سے زیادہ اذیت اور تکلیف کا باعث بن جاتی ہے۔

لیکن اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کلام کے شروع میں اور آخر میں مردوں کو تاکیدی حکم فرمارہے ہیں: ’’استوصوا بالنساء خیراً ‘‘ کہ وہ عورتوں کے ساتھ نرمی اور ملاطفت کے ساتھ پیش آئیں اور ان کی طرف سے پیش آنے والی مزاج کے خلاف باتوں کو برداشت کریں اور ان کی طرف سے پہونچنے والی تکلیفوں اور اذیتوں پر صبر اور تحمل سے کام لیں، طلاق کے معاملہ میں کبھی جلدی نہ کریں، بلکہ تالیف قلب کی کوشش کریں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں سرے سے سمجھایا بجھایا بھی نہ جائے بلکہ ان کی کمیوں اور کوتاہیوں پر نرمی اور پیار کے ساتھ سمجھایا جائے سختی اور تشدد نہ کیا جائے خصوصاً جائز اور مباح امور میں زیادہ سختی اور تشدد نہ برتا جائے بلکہ اچھے اخلاق، نرم گفتگو اور ملاطفت کے ذریعہ ان کا دل جیتنے کی کوشش کی جائے اور ان کے اندر پائی جانے والی کمی اور کجی کے ساتھ ہی ان سے انتفاع کیا جائے۔

ہاں اگر عورتوں کا معاملہ ان کی فطری کمی سے تجاوز کرکے معصیت کے ارتکاب اور فرائض وواجبات کے ترک تک پہونچ جائے تو پھر انہیں اپنے حال پر نہیں چھوڑا جاسکتا ہے بلکہ مناسب تادیب وتنبیہ کی جائے گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’والّٰتِیْ تخافون نشوزَھُنَّ فعِظُوھنَّ واھْجُرُوھنَّ في المضاجِعِ وَاضْرِبوھنَّ فإنْ اَطَعْنَکُمْ فلاتبغوا علیھِنَّ سبیلاً، اِنَّ اللہ کانَ عَلیاً کبیراً۔‘‘ (النساء ۳۴)

’’اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہوتو ان کو نصیحت کرو اور ان کو بستروں میں الگ چھوڑ دو اور ان کو مارو (ہلکی مار) پھر اگر وہ تمہارا کہنا مان لیں تو تم ان کے خلاف حجت تلاش مت کیا کرو یقینا اللہ برتر ہے بڑا ہے۔‘‘

اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ’’یأیہا الذین آمنوا قُوا انفسکم وأھْلِیْکم ناراً وقودھا الناسُ والحجارۃُ‘‘۔ (التحریم ۶)

’’اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے‘‘ (فتح الباری ۶ر ۴۵۴ و ۹ر ۳۱۴، عمدۃ القاری ۱۶ر ۳۶۴، تکملۃ فتح الملہم ار ۱۲۲۔ ۱۲۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اور اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی عزت واحترام کا حکم دیا ہے اور اس کے ذریعہ زندگی کو خوش گوار بنانے کا وہ گُر بتادیا ہے جس سے آپس کی تلخیاں، دوریاں اور گھر گھر کے اندر کی لڑائیاں ختم ہوسکتی ہیں اور ایک پرسکون اور خوشی کی زندگی میسر آسکتی ہے۔ ☆☆☆

دعوت فکر

دینی تعلیم کی ضرورت واہمیت!

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

انسان پر جیسے دوسروں کے حقوق ہیں، اسی طرح اس پر خود اپنی ذات کا، اپنے بال بچوں اور اپنے عزیزوں کا بھی حق ہے، بلکہ یہ حق نسبتاً زیادہ اہم اور قابل توجہ ہے اور آخرت میں اس کے بارے میں جواب دہی بھی زیادہ ہے۔ انسان پر اس کی ذات کے اور اس کے اہل وعیال کے کیا حقوق ہیں اور اپنے زیر پرورش لوگوں کے تئیں اس پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، قرآن وحدیث میں جا بجا اس کا ذکر ہے۔

یہ حقوق انسان کی مادّی ضروریات سے متعلق بھی ہیں اور اس کی دینی اور اخروی حاجات سے متعلق بھی اور یقیناً اس کی دینی حاجات سے متعلق حقوق زیادہ اہم ہیں، کیوں کہ مادی ضرورتوں کا تعلق تو ایسے مستقبل سے ہے جو چند سالہ ہے اور جس کی انتہا قبر کی منزل پر ہو جاتی ہے، لیکن دینی اور اخروی ضرورتیں ایسے مستقبل سے متعلق ہیں، جس کی کوئی نہایت نہیں، اُس لیے ایک صاحب ایمان، جو آخرت میں جواب دہی کا احساس رکھتا ہو اور جو اُس دنیا پر یقین کرتا ہو، یقیناً اس وسیع اور نہ ختم ہونے والے مستقبل سے بے پروا نہیں ہوسکتا۔

قرآن مجید نے انسان کو اسی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے متنبہ کیا ہے، کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ: قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

یہ آگ سے بچانا کیوں کر ہوگا؟ ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ۔ ایمان کیا ہے؟ قرآن وحدیث میں جن جن باتوں کا ذکر آیا ہے، ان سب کو ماننا اور بے کم وکاست ان کا یقین کرنا۔ ایمان صرف کلمہ پڑھ لینے کا نام نہیں، اگر ایک شخص اپنی زبان سے توحید کا اقرار کرتا ہو اور قرآن کے کسی حکم کا انکار بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کا مذاق اڑانے سے بھی گریز نہ کرتا ہو، آپ کو نبی مانتا ہو، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کے آنے کا قائل ہو، تو بظاہر وہ صاحب ایمان محسوس ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ کفر کی راہ پر ہے۔ ایمان کا مسئلہ بہت نازک ہے، بعض اوقات انسان ہنسی مذاق میں، غیظ وغضب اور ضد وعناد میں ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جو اسے دولت ایمان سے محروم کر

دیتی ہیں اور اسے خبر تک نہیں ہوتی، ظاہر ہے اس نادانستہ خسران ومحرومی سے بچنے کے لیے ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے علم کے زیور سے آراستہ اور احکام دین سے واقف ہونا، بے علمی اور ناآگہی وجہالت ونادانی انسان کو راہِ حق سے دور لے جاتی ہے اور گم راہی کے راستہ پر ڈال دیتی ہے۔

آگ سے بچنے کے لیے دوسری ضروری چیز عمل صالح ہے۔عمل صالح کے معنی اچھے کام کے ہیں۔ کوئی کام اس وقت اسلام کی نگاہ میں عملِ صالح بنتا ہے جب اس میں تین باتیں پائی جائیں، اوّل وہ حکم خداوندی کے مطابق ہو، دوسرے اس عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر انجام دیا جائے، تیسرے: اس کا مقصد اللہ کی خوش نودی اور رضا کا حاصل کرنا ہو، شہرت ونام وری، عہدۂ جاہ اور دنیا طلبی مقصود نہ ہو، اگر یہ تینوں باتیں جمع ہوں تو وہ عمل صالح ہے اور ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہ پائی جائے تو وہ عمل صالح نہیں۔

ظاہر ہے کہ عمل صالح کو جاننے اور اس کو اختیار کرنے کے لیے قدم قدم پر علم کی ضرورت ہے، ایک وضو اور نماز ہی کو دیکھ لیجیے کہ اس سے متعلق کتنے مسائل واحکام ہیں؟ انسان بوڑھا ہو جائے اور اپنی پوری عمر طے کر لے، پھر بھی ان مسائل کا احاطہ نہیں کر پاتا، ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے، اہلِ علم سے استفسار کرنا پڑتا ہے، بلکہ خود اصحابِ علم بھی ایک دوسرے سے رجوع کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، فقہ کا ایک سمندر بیکراں، جو نہی اعمال صالحہ کی تشریح وتوضیح سے عبارت ہے۔

غرض انسان کے اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو آخرت کی آگ سے بچانے اور جہنم کی بھٹی سے محفوظ رکھنے کا واحد راستہ ایمان اور عملِ صالح ہے اور ایمان ہو یا عمل صالح، جب تک دین کا علم نہ ہو، احکامِ شریعت سے آگہی نہ ہو، کتاب وسنت سے واقفیت اور دین کا فہم نہ ہو، حاصل نہیں ہوسکتا اور ایمان وعمل کا حق جہل وناآگہی کے ساتھ ادا نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اس لیے ہر مسلمان کے لیے اپنی ضروریات کے مطابق علم دین کا حصول فرائض میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ وضاحت ارشاد فرمایا کہ: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے: شاید ہی دنیا کے کسی مذہب میں علم کی یہ اہمیت ظاہر کی گئی ہو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اور کوئی علم داخل ہو یا نہ ہو، علمِ دین تو ضرور ہی داخل ہے، کیوں کہ یہ ایسا فریضہ ہے کہ جس کے بغیر دین کا کوئی فرض ادا ہو ہی نہیں سکتا، وضو اس لیے فرض ہے کہ اس سے نماز ادا کی جائے، حرمین شریفین کا سفر اس لیے فرض ہے

کہ حج کی ادائیگی ہوسکے، تو علم سے تو تمام ہی فرائض متعلق ہیں، نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ، نکاح و طلاق، حلال وحرام، خلوت وجلوت اور رزم و بزم، کون سی جگہ ہے اور کون سا موقع ہے جہاں انسان علم کا محتاج نہ ہو، اس لیے علم دین اہم ترین فریضہ ہے، ایسا فریضہ کہ جس پر تمام فرائض کی ادائیگی منحصر ہے۔

اس لیے یقینا قرآن مجید نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچانے کا حکم دے کر بالواسطہ علم کی طرف متوجہ کیا ہے۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے، ہمارے سرکاری نظام تعلیم میں آزادی کے بعد ہی سے ہندو تہذیب کی چھاپ ڈالنے کی کوشش رہی ہے، لیکن اب یہ کوشش بے لباس اور تیز رفتار ہے، مسلمان بچوں کو مشرکانہ فکر سے مانوس کیا جارہا ہے، دیویوں اور دیوتاؤں کا تقدس ان کے ذہنوں میں بٹھایا جاتا ہے، ہندو بزرگوں کی عظمت ان کے قلوب میں راسخ کی جاتی ہے، مسلمانوں کی تاریخ کوڑا کوؤں اور لیٹروں کی تاریخ کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، تاکہ مسلمان بچے احساس کمتری میں مبتلا ہوں، یہاں تک کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ اور اسلام کے قرنِ اوّل کی تاریخ کو بھی مسخ کرکے پیش کیا جاتا ہے، تاکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء کی عظمت نئی نسل کے دل سے نکل جائے۔ اس صورت حال میں مسلمانوں کی نئی نسل کے لیے دینی تعلیم کی اہمیت پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے۔

دینی تعلیم کا ایک درجہ تو ضروریاتِ دین کی تعلیم کا ہے۔ یہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، ہمارے جو بچے عصری درس گاہوں میں زیرِ تعلیم ہیں، ان کے لیے بھی قرآن مجید کا با تجوید ناظرہ، کچھ سورتوں کا حفظ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، ضروری فقہی مسائل اور شب وروز کے مختلف احوال سے متعلق جو ادعیہ واذکار منقول ہیں، ان کا یاد کرانا تو ہر مسلمان بچے کے لیے ضروری ہے، اب اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ ان کو اسلام کی اور مسلمانوں کی تاریخ بھی پڑھائی جائے، تاکہ وہ احساسِ کمتری سے بچ سکیں اور اسلام پر مغربی مصنفین اور ان سے متاثر ہو کر مشرق کے اہلِ علم جو اعتراضات کرتے ہیں ان کے جواب کی بھی راہ نمائی کی جائے، تاکہ غلط فہمیوں اور پروپیگنڈوں کے دامِ ہم رنگِ زمین سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔

علمِ دین حاصل کرنے کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ امت میں کچھ لوگ قرآن وحدیث کا تفصیلی علم حاصل کریں، کتاب وسنت پر ان کی گہری نگاہ ہو، فقہِ اسلامی پر ان کی وسیع نظر ہو۔ ایمانیات اور عقائد کی گہرائیوں

تک ان کی رسائی ہو، ہر عہد میں اسلام کے خلاف جو فتنے کھڑے ہوں، وہ ان کے مقابلہ کی صلاحیت کے اہل ہوں، وہ اسلام کی فکری سرحدوں کی حفاظت کا فریضہ انجام دیں اور اپنے عہد کے پیدا ہونے والے مسائل کو فراستِ ایمانی کے ساتھ کتاب وسنت کی روشنی میں حل کریں، یہ امت پر فرضِ کفایہ ہے، جیسے کسی ملک کی سرحد پر فوج کا دستہ کھڑا رہتا ہے، بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس پر مفت میں کثیر اخراجات ہو رہے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ ملک کے سب سے بڑے محسن اور اس کی سلامتی کے ضامن ہیں، یہی مقام فکری اعتبار سے کسی بھی سماج میں علماءِ دین کا ہے، یہ ہمارے معنوی وجود، ہمارے فکری تشخص اور ہمارے تہذیبی امتیازات کے محافظ ہیں، کسی سماج میں اگر کوئی عالم نہ ہو تو کافرانہ طاقتیں علانیہ یا نادانستہ ان کو اُچک سکتی ہیں، عالم ممکن ہے عمل کے اعتبار سے کوتاہ ہو، لیکن انشا ءاللہ وہ کسی گم راہی کے بارے میں غلط فہمی میں نہیں پڑ سکتا اور پروپیگنڈہ سے متاثر نہیں ہوسکتا، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کا کوئی خاندان ایسا نہ ہو جو عالمِ دین سے خالی ہو، یہ انشاء اللہ اس پورے خاندان کے لیے حفاظتِ دین کی ضمانت ہے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں نے ایسا سوچ لیا ہے کہ یہ عظیم الشان علم صرف غریب اور پس ماندہ مسلمانوں کے لیے ہے، مسلمانوں میں مرفہ الحال اور اصحاب ثروت کا طبقہ علم دین کی طرف سے بالکل ہی بے توجہ ہے، بلکہ وہ اسے حقارت اور کم تری کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہ نہایت ہی افسوس ناک بات ہے۔ یہ سمجھنا تو درست نہیں کہ یہ غریب طلبہ، کند ذہن اور فکری اعتبار سے مفلس ہوتے ہیں، کیوں کہ ذہانت کا دولت وغربت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ تجربہ یہ ہے کہ غریب ماحول کے بچے علم کی طرف زیادہ متوجہ رہتے ہیں، چناں چہ اس وقت آئی اے ایس اور اعلیٰ تعلیم کے شعبوں میں زیادہ تر اسی طبقہ سے طلبہ کام یابی حاصل کر رہے ہیں، لیکن اس کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ جو طالب علم معاشی اعتبار سے پست ماحول سے اٹھتا ہے، وہ بہر حال نفسیاتی اعتبار سے احساس کم تری کا شکار رہتا ہے اور سماج میں جو مرفہ الحال طبقہ ہے، اس سے آنکھیں ملا کر بات کرنے کی قوت اپنے اندر نہیں پاتا، اس سے سماج میں کچھ لوگ دینی راہ نمائی اور اپنی کوتاہیوں کی اصلاح سے محروم رہتے ہیں۔

اگر سماج کے معزز سمجھے جانے والے لوگ علم دین حاصل کریں تو وہ اپنے طبقہ کے لوگوں سے آنکھیں ملا کر باتیں کرسکیں گے اور بے جھجک اسلامی تعلیمات کو ان کے سامنے پیش کریں گے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ سماج کے معزز اور مرفہ الحال لوگ علم دین کی طرف متوجہ ہوں اور اس علم کو

حاصل کرنے میں آگے آئیں۔

قابلِ فکر امر یہ ہے کہ آخر علمِ دین کی طرف سماج کے اونچے طبقے کی توجہ کیوں نہیں ہے؟ حالاں کہ ہر شخص کو اس بات کا اعتراف ہے کہ جو بچے دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان میں تہذیب وشائستگی اور بڑوں کی توقیر، چھوٹوں کے ساتھ شفقت، اپنے پرائے کے ساتھ حسنِ سلوک، نگاہ اور زبان کی حفاظت اور اپنے فرائض کے تئیں جواب دہی کے احساس کا عنصر زیادہ ہوتا ہے، لیکن کیا بات ہے کہ اس کے باوجود علم کا یہ شعبہ لوگوں کے التفات سے محروم ہے؟؟

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جو لوگ دین اور علم دین کی خدمت میں مشغول ہیں، ان کے پاس مادی وسائل کم ہیں، ان کو کم تنخواہوں پر اکتفا کرنا پڑتا ہے، یہی ایک بات ہے جس نے مادہ پرست اذہان اور حریصانہ فکر وذہن کے حاملین کو علم دین کی طرف آنے سے روک رکھا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے بچوں کا مستقبل کیا ہوگا؟ وہ کیا کھائیں گے؟

اس سلسلہ میں مسلمان سماج کے لیے دو باتیں قابل توجہ ہیں: اوّل یہ کہ کیا مسلمانوں کا معاشرہ اپنے دینی تحفظ کے لیے ایک ایسے طبقہ کی صحیح طریقہ پر کفالت نہیں کرسکتا جن کی تعداد بہ مشکل ایک فی ہزار ہوگی؟ اگر مسلمان اپنی دوسری ضروریات کی طرح دینی خدمت گزاروں کو بھی اپنے لیے ایک ضرورت باور کریں اور فراخ حوصلگی کے ساتھ ان کے تعاون کے لیے ہاتھ بڑھائیں اور خادمین دین کو کم سے کم معاشی اعتبار سے اس لائق بنائیں کہ وہ متوسط طریقہ پر سماج میں اپنی زندگی بسر کرسکیں، تو یقیناً اس علم سے بے اعتنائی اور بے رغبتی کی یہ کیفیت باقی نہیں رہے گی۔ اور یہ کچھ مشکل نہیں ہے، بعض وہ قومیں جو باطل فکر ونظر کی حامل ہیں، اپنے مذہب اور مذہبی شخصیتوں کے لیے کل آمدنی کا دس فیصد وقف کرتی ہیں، مسلمان اتنی بڑی قوم ہے کہ اگر وہ آمدنی میں دین کے خدمت گزاروں کے لیے ایک فی صد، بلکہ نصف فی صد بھی حصہ مقرر کرلیں تو ان کے ائمہ، مؤذنین، علماء اور دینی کام کرنے والے بہتر حالات میں اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔ کاش! مسلمان اس پہلو سے غور کریں کہ خادمین دین کے وقار کو بلند کرنا دراصل خود دین کے وقار کو بلند کرنا ہے۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ آج کی دنیا میں معیشت کا علم سے کچھ زیادہ ربط نہیں ہے، ہمارے اسی شہر میں کتنے لوگ ہیں جو نشانِ ابہام سے کام چلاتے ہیں، لیکن اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ان کے ملازم ہیں اور دولت

ان کے قدموں میں نثار ہے، کتنے انجینئر بیکار ہیں اور کتنے ڈاکٹر بے روزگار ہیں اور کتنے قانون داں مؤکل کی تلاش میں خاک چھانتے نظر آتے ہیں، اس لیے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اگر ایک شخص علم دین حاصل کرے گا تو بھوکا مرے گا اور دوسرے علوم حاصل کرے گا تو اس کے گھر میں "دھن" برسنے لگیں گے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رزاق اور روزی رساں ہیں، چاہیں تو پڑھے لکھے لوگوں کو محروم رکھیں اور چاہیں تو جاہلوں کو سرفراز فرمادیں۔

پھر یہ ایک نظریہ نہیں، بلکہ تجربہ اور آزمودہ حقیقت ہے کہ جو لوگ اللہ کے دین کے کام میں مشغول ہیں، اللہ ان کو ضائع نہیں کرتا اور غیب سے ان کی کفالت کا سروسامان کرتا ہے۔آخر اسی معاشرہ میں وہ دینی تعلیم یافتہ لوگ بھی موجود ہیں جو خوش پوش بھی ہیں، باعزت طریقہ پر اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں اور کسی کے سامنے دستِ سوال پھیلانے پر مجبور نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے امت کے دل میں ان کی محبت اس طرح ڈال دی ہے کہ مشکل مواقع پر بلا کہے سنے اور بلا طمع واشراف وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں، اس لیے بھروسہ اللہ پر ہونا چاہیے۔اگر ایک مسلمان میں اللہ کی رزاقیت کا یقین بھی نہ پیدا ہو، تو یہ کیسا کھوکھلا اور بے روح ایمان ہے؟

پس موجودہ حالات میں اور عالمی حالات کے پس منظر میں یہ بات ضروری ہے کہ مسلمان دینی تعلیم کی اہمیت کی طرف متوجہ ہوں۔آج ہمارے ملک میں مدارس اسلامیہ کے خلاف آوازیں اٹھائی جارہی ہیں، عالمی سطح پر بھی ان کو بنیاد پرستی اور دہشت گردی کا مرکز قرار دیا جارہا ہے، یہ سب ان لوگوں کی زبان ہے کہ اسلام سے جن کی عداوت ظاہر و باہر ہے۔اعداء اسلام کا یہ رویہ سرمایہ عبرت ہے، جو لوگ حق وراستی کے دشمن ہوں، وہ تو مدارس کی اہمیت کو سمجھ لیں، لیکن جو لوگ صاحبِ ایمان اور اسلام کے نام لیوا ہیں، وہی اسلام کی حفاظت اور اس کی بقا میں مدارس کے کردار کی اہمیت کو نہ سمجھیں، اس سے زیادہ قابلِ افسوس اور کیا بات ہوگی؟

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد عاقل (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سبھاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

ضرورتِ دین

دینی مکاتب قائم کیجیے

مفتی امانت علی قاسمی

استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

ہمارا ملک جن مسائل سے جھوج رہا ہے اور جس طرح مسلمانوں کے لیے چیلینجوں کے انبار کھڑے ہو گئے ہیں، آئے دن نئے مسائل جنم لے رہے ہیں کبھی فرقہ واریت کے خلاف محاذ ہے تو کبھی این آر سی کا مسئلہ، ہجومی تشدد کے واقعات ہیں تو کہیں پر گئور کشکوں کی غنڈہ گردی، کسی شہر سے بہن بیٹیوں کے ارتداد کی دلدوز خبریں آتی ہیں تو کسی جگہ سے غیر مسلموں کے ساتھ مسلم بچیوں کی شادی کرنے کی دل فگار خبریں، منصوبہ بند فسادات نے مسلمانوں کی معیشت تباہ کردی ہے، نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ناجائز مقدموں میں جیلوں کی سلاخوں میں ہیں، بلڈوزر کلچر کو فروغ دے کر مسلمانوں میں خوف ودہشت پیدا کرنے کے نت نئے حربے آزمائے جارہے ہیں۔

حالیہ دنوں میں یکساں سول کوڈ کا مسئلہ مسلمانوں کو بے چین کیے ہوئے ہے کہ ہندوستانی مسلمان جو اب تک اپنے عائلی مسائل پر عمل کرتے آرہے ہیں اور جسے انگریزوں کے زمانے میں بھی ایک آئینی حیثیت حاصل تھی، ملک کی آزادی کے بعد سے اب تک اسے قانونی حیثیت حاصل ہے اسے ختم کرنے کے لیے یکساں سول کوڈ نافذ کردیا جائے گا، ایسے حالات میں ایک فکر مند مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ ترجیحی طور پر ہمارے لیے کام کا میدان کیا ہونا چاہیے؟ کن خطوط پر چل کر ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے لیے لائحہ عمل بنانے کی ضرورت ہے، کس طرح ہندوستانی مسلمان اپنا مستقبل بہتر بنا سکتے ہیں، ہندو احیاء پسند تحریکوں کا مقابلہ کرسکتے ہیں، وہ کون سا راستہ ہوگا جس پر چل کر ہندوستانی مسلمان اپنے ایمان اور اپنی آنے والی نسلوں کے ایمان کا تحفظ کرسکتے ہیں اور ہندوستان میں اپنی تہذیب وتشخص کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں؟

ترجیحات طے کرنے کی ضرورت ہے

ظاہر ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے طویل منصوبہ بند جدوجہد کی ضرورت ہے اور جس انداز پہ

اسلاموفوبیا کا زہر پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے، مسلمانوں کے خلاف نفرت کا جو طوفان برپا کیا گیا ہے اس کا مقابلہ بھی اسی درجہ پیار ومحبت ، اخوت و بھائی چارہ، خدمت خلق ، انسانیت کا درد بانٹ کر کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں مسلمانوں کے ایمان ویقین کے تحفظ کے لیے اور نسل نو کے ایمان کو بچانے کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ دینی تعلیم کے نظم کے لیے مکاتب قائم کیے جائیں، کوشش کی جائے کہ مسلمانوں کے اپنے اسکول ہوں جہاں پر عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی مکمل نظم ہو لیکن جہاں پر یہ نظم نہیں ہوسکا ہے، وہاں پر مکاتب قائم کیے جائیں اور اس کو یقینی بنایا جائے کہ مسلمانوں کا ہر بچہ دینی تعلیم حاصل کرے اس لیے کہ جز وقتی تعلیم کے لیے وقت نکالنا اور ایک گھنٹہ یا دو گھنٹہ دینی تعلیم کے لیے فارغ کرنا اسکول کے بچوں کے لیے بھی آسان ہے۔اس کے بغیر ہم اپنے بچوں کے ایمان کو نہیں بچاسکتے ہیں۔

دنیا کی برق رفتاری میں خدابیزاری کا عنصر

اس وقت دنیا جس برق رفتاری سے محوسفر ہے، اور سائنس وٹکنالوجی کی ایجادات نے جس طرح پوری انسانیت کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے، آج انسانی دماغ جو روبوٹ بنا رہا ہے اس کے بارے میں ماہرین کی پیش گوئی یہ ہے کہ یہ انسانی دماغ سے آگے بڑھ کر کام کرنے لگے گا، ماہرین یہ بھی کہتے ہیں کہ دو ہزار سال میں انسان نے انفارمیشن ٹکنالوجی میں ایسی ترقی نہیں کی ہے جس قدر اکیسویں صدی کے بیس سالوں میں کی ہے۔آج کی صورت حال یہ ہے کہ انسان حسی دنیا سے ورچوئل دنیا اور فرضی دنیا کی طرف جا رہا ہے، اور فرضی دنیا میں زندگی گزار رہا ہے۔آج ہندوستان سائنسی ترقی کی بنیاد پر چاند پر کمندیں گاڑ رہا ہے، جس کی تباہ کاری یہ ہوگی کہ سائنس کی ان ایجادات کے سامنے انسان کو خدا کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوگی، انسان اپنی عقل سے یہ فیصلہ کرے گا کہ اس دنیا کو چلانے کے لیے خدا کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم اس تباہ کن دنیا میں قدم رکھ چکے ہیں، سائنسی ترقی کا سب سے پہلا منفی اثر مذہب پر پڑے گا اگر ہم نے اپنی نسل میں ایمان کا بیج نہیں بویا، ان کے اندر درست عقائد کا پودہ نہیں لگایا، اسلام کی اہمیت وعظمت اور خدا کی وحدانیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور آخرت کے پیغام کا پانی ڈال کر ان کی عقیدے کی جڑوں کو مضبوط نہیں کیا تو ہماری آنے والی نسل کے دل ایمان سے خالی ہوں گے وہ نہ صرف تہذیبی ارتداد کا شکار ہوگی؛ بلکہ ملحد ہوگی جن کے پاس ٹکنالوجی کی طاقت کے سامنے کوئی دوسری طاقت قابل قبول نہیں ہوگی۔

تعلیم کے ذرائع میں مکتب کا مقام

انسان کی تعلیم وتربیت کے پانچ ذرائع ہیں۔ پہلا ذریعہ ماں کی گود ہے، ماں کی گود کو پہلا مدرسہ کہا جاتا ہے، ماں کی تعلیم وتربیت بچے پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے لیکن آج کل ماؤں کے پاس ہی دینی تعلیم نہیں ہے اور نہ ہی ان کا مزاج دینی ہے اس لیے بچوں کو قرآن اور کلمہ یاد کرانے کے بجائے موبائل دیے جاتے ہیں اور نیند لانے کے لیے دعا، کلمہ اور حمد کی لوریوں کی جگہ انہیں گانے سنائے جاتے ہیں اس طرح تعلیم کا پہلا مرحلہ دینی تعلیم کے حوالے سے ضائع ہو چکا ہے۔ دوسرا ذریعہ گھر کا ماحول ہے، بچے گھر کے ماحول میں بھی بہت کچھ سیکھتے ہیں اور اپنے بڑوں کو دیکھ کر ان کی نقل اتارنا چاہتے ہیں، آج گھر کا ماحول بھی دینی نہیں ہے، گھروں میں تعلیم وتربیت کے بجائے فون، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کی تباہ کاری صاف دکھائی دے رہی ہے؛ اس لیے یہاں بھی ناکامی ہاتھ آتی ہے۔ تیسرا ذریعہ اسکول ہے جہاں پر موجودہ صورت حال میں اسلام سے دور کرنے کی ہی کوشش ہو رہی ہے، نصاب میں ایسی چیزیں شامل کی جارہی ہیں جس سے بچہ اسلام سے دور ہو جائے، خارجی پروگراموں کے ذریعہ بچوں کو ناچ گانے اور بے حیائی کا عادی بنایا جارہا ہے، قومیت کے نام پر ہندوانہ تہذیب کو فروغ دینے کی کوشش ہو رہی ہے اس لیے اس ذریعہ سے دینی تعلیم وتربیت کی توقع جنون اور پاگل پن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک ذریعہ مدرسہ ہے جہاں پر الحمدللہ دینی تعلیم وتربیت کی مکمل کوشش کی جارہی ہے لیکن سماج کے صرف دو، ڈھائی فیصد بچے ہی اس ذریعہ سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اس طرح سماج کا ایک بڑا طبقہ اس ذریعہ سے بھی تعلیم حاصل کرنے سے قاصر ہے اس لیے اب ایک آسان راستہ رہ جاتا ہے کہ ہر محلہ میں بلکہ ہر گلی میں مکتب قائم کیا جائے اور اس کو فیس کے نظام سے مربوط کیا جائے تاکہ اس کو چلانے کے لیے مزید کسی صرفے کی بھی ضرورت نہ ہو اور جو لوگ اسکولوں میں انگریزی تعلیم کے لیے مہنگی فیس دے کر اپنے بچوں کو تعلیم دلا رہے ہیں وہ کچھ فیس دے کر اپنے بچوں کو دینی تعلیم بھی دلائیں تاکہ عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کی اہمیت بھی ان کے سامنے رہے۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کی وصیت

اگر کوئی باپ یہ مانتا ہے کہ میرے بچوں کو ایمان پر باقی رہنا چاہیے، اگر وہ اپنے بچوں کو وہی وصیت کرنا چاہتے ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے اپنی آخری عمر میں معلوم کیا تھا مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ اور بچوں نے جواب میں کہا تھا قَالُوۡا

نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ (بقرۃ آیت نمبر ۱۳۴) ہم آپ کے رب، اور آپ کے آباد و اجداد ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام کے رب یعنی ایک خدا کی عبادت کریں گے اور ہم لوگ ان پر ہی اسلام لانے والے ہیں۔

اگر ہمارا یہ جذبہ ہے کہ ہمارے بچوں میں توحید کا پیغام زندہ رہے، اسلام اور کفر کا فرق ان کے دل و دماغ میں رہے وہ اسلام پر قائم رہیں، خدائی قانون کو اپنی زندگی میں لائیں، عبادات کی اہمیت ان کے رگ و ریشے میں پیوست ہو تو اسکول کی تعلیم کے ساتھ علاحدہ وقت میں مکتب کا نظم کر کے انہیں دینی تعلیم ضرور دلانی ہوگی۔ ورنہ وہ بچے اسکولی تعلیم حاصل کر کے و نحن له مسلمون کا سبق بھول جائیں گے۔

اسکولی تعلیم میں مذہب بیزاری

یہ ایک سچائی ہے کہ سرکاری سطح پر بچوں کو مرتد بنانے کی پوری تیاری کر لی گئی ہے، اور اس کے لیے اسکول کو یہ ہدف دیا گیا ہے، اسی لیے اسکول کے نصاب سے لے کر طریقہ تعلیم، اور تربیت کے نام پر یوگا، سوریہ نمسکار، وندے ماترم، وغیرہ وہ تمام چیزیں منصوبوں میں شامل کر دی گئیں ہیں کہ اس تعلیم کو پا کر بچہ سب کچھ بن سکتا ہے لیکن مسلمان باقی نہیں رہ سکتا ہے۔ ایک اسکول میں بچے کے امتحان کے سوال میں یہ پوچھا گیا کہ بارش کون برساتا ہے؟ اور آپشن دیا گیا وشنو اوتار، کرشن اوتار یا رام اوتار ظاہر ہے کہ بچوں کو یہی پڑھایا گیا ہے کہ بارش یہ اوتار برساتے ہیں، بچوں کو یہی پڑھایا جا رہا ہے کہ یہ زمین ہمیں غلہ دیتی ہے اس لیے صبح سویرے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس زمین کو نمن کریں، اس کے آداب بجالائیں، یہ سورج ہمیں کرنیں دیتا ہے جس سے ہمارے جسم میں توانائی آتی ہے اس لیے ہمارا فرض ہے کہ سورج کو نمن کریں اور اس طرح قومی تہذیب کے نام ہندو سنسکرتی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

مکاتب اور دینی تعلیم کی اہمیت اکابر علماء کی نظر میں

اگر ہم اپنے بچوں کے ایمان کے لیے فکر مند ہیں، ان کے مستقبل کے لیے فکر مند ہیں ان کی آخرت کے لیے بے چین ہیں تو ہمیں ترجیحی طور پر مکاتب کے قیام پر توجہ دینی ہوگی اور کوشش یہ ہو کہ سماج کا کوئی بھی بچہ خواہ وہ غریب ہے یا امیر، مکاتب کی تعلیم سے محروم نہ ہو۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول ہے: دینی تعلیم کے بغیر دنیوی تعلیم گناہ اور اپنے مذہب سے بغاوت ہے۔

دینی تعلیمی کونسل کے ۱۹۶۰ء کے اجلاس میں حضرت مولانا منظور نعمانیؒ مکاتب اور بچوں کی دینی تعلیم کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں: دو باتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں یا تو خدا نخواستہ اپنی نسلوں کے دینی اور تہذیبی ارتداد پر راضی ہوجائیں یا پھر اس فیصلہ کے ساتھ کھڑے ہوجائیں کہ ہمیں اللہ کی مدد سے ایک ایک بچہ کو ارتداد کے اس طوفان سے بچانا ہے اور اس راستہ میں ہمیں جو محنت کرنی پڑے اور جو قربانی دینی پڑے اس سے دریغ نہیں کرنا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب فرماتے ہیں: اسلامیات کی حفاظت کے لیے مکاتب اور مدارس سے زیادہ مؤثر کوئی نہیں ہے۔ آج جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور جو تمام موانع اور رکاوٹوں پر غالب آسکتی ہے وہ ہمارا فیصلہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی دینی تعلیم کو ہر تعلیم پر مقدم رکھیں گے اور بغیر اس ضروری تعلیم کے جس سے وہ اپنے پیدا کرنے والے کو، اپنے پیغمبر، اپنے عقائد اور فرائض دینی کو پہچان سکیں، خالص رواجی یا معاشی تعلیم دلانا گناہ اور اپنے مذہب سے بغاوت سمجھیں، اگر ہمارا یہ فیصلہ ہے اور ہم اس میں سچے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت کوئی ترغیب، کوئی مصلحت، کوئی تعزیر ہم کو صراط مستقیم سے ہٹا نہیں سکتی اور ہماری نسلوں کو اسلام کی نعمت سے محروم نہیں کرسکتی ہے اگر ہمارا یہ فیصلہ نہیں ہے تو حکومت کی کوئی رعایت، کوئی استثناء کوئی تحفظ، کوئی انتظام ہم کو فساد و الحاد اور انحراف و ارتداد سے بچا نہیں سکتا ہے جس ارتداد کی طرف دنیا تیزی سے بڑھ رہی ہے (مکاتب کی اہمیت: اکابر امت کی نظر میں ۵)

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ فرماتے ہیں: اگر مسلمان بچوں کے لیے بنیادی مذہبی تعلیم کا نظم نہ کیا گیا تو یقین کیجئے کہ بڑی عمر کو پہنچنے کے بعد جب ہر انسان اپنے معاشی حالات میں گھر جاتا ہے تو ہماری آنے والی نسلیں اسلام اور اسلام کی تعلیم سے محروم ہوتی چلی جائیں گی اور اگر دینی امانت کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا فرض ادا کرنے میں ہم نے ذرا بھی کوتاہی کی تو آنے والے دور میں اسلام کے تحفظ و بقا کا مسئلہ سخت مشکل ہوجائے گا۔ (خطبات مجاہد ملت ۲۷۳)

مولانا محمد میاں صاحبؒ فرماتے ہیں: اگر آپ اپنی مسجد کے اماموں پر لازم کردیں کہ وہ آپ کے بچوں کو مذہبی تعلیم دیں اور اس سلسلے میں آپ ان ائمہ کرام کی ضروریات زندگی کا تکفیل کرلیں تو آپ ہر قسم کی کدو کاوش سے نجات پاجائیں گے۔ آپ کی تہذیب بھی زندہ رہے گی، آپ کا مذہب بھی محفوظ رہے گا اور اس طرح اردو

زبان بھی لازوال ہوجائے گی اورآپ ایک عظیم الشان فرض کو انجام دے سکیں گے(البلاغ تعلیمی نمبر ۲۰)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سہارن پور کے دینی تعلیمی کنونشن کے صدارتی خطاب میں دینی تعلیم کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: آج کے دور میں دینی تعلیم ہی ان کے لیے پناہ گاہ ہے ان کی مصیبت و پریشانی کا راز نہ عددی قلت میں پنہا ہے نہ زرومال کی کمی میں؛ بلکہ بہت حد تک جہالت میں مضمر ہے، آج جب کہ مذہب کی بنیادی تعلیم سے بھی واقفیت نہیں تو آخر ان کے پنپنے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ ہر بقا اور ہر ارتقاء کی پہلی سیڑھی تعلیم ہے، جہالت سے آج تک نہ کسی قوم نے ترقی کی نہ اپنے کو باقی رکھ سکی، آپ آخر کس توقع پر ہندستان میں جہالت کی زندگی بسر کر کے اس پر قانع بنے بیٹھے ہیں اور آپ کے سامنے کون سا نصب العین ہے جو جہالت کے ساتھ پروان چڑھے گا۔

اسی صدارتی خطاب میں حضرت حکیم الاسلامؒ مکاتب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: آج ہم نے تعلیم کے مسئلہ کو پیچیدہ بنا دیا ہے ورنہ تعلیم کا مسئلہ جتنا اہم تھا اتنا ہی سہل بھی تھا، ہر محلہ میں مسجدیں تھیں اور ہر مسجد میں ایک میانجی کا وجود بھی لازمی تھا اور اس کی کوئی تنخواہ خاص نہ ہوتی تھی، اہل محلہ اس کے کفیل ہوتے تھے، محلے کے بچے اس کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے اور وہ بہت سادہ اور معمولی طریقہ پر ان بچوں کی ابتدائی دینی تعلیم وتربیت کا کفیل ہوتا تھا، آج کون نہیں جانتا کہ ان غیر رسمی مکتبوں میں پڑھے ہوئے بچے جس حد تک دین اور دین کی بنیادی باتیں لے کر نکلتے اور دین کا پختہ نمونہ پیش کرتے تھے آج کے معمولی علماء ومشائخ بھی علم واخلاق کا وہ نمونہ پیش نہیں کرسکتے۔ کیا ہم اتنا بھی نہیں کرسکتے کہ تعلیمی سلسلہ میں نئی ضرورتوں کے مطابق مساجد کی پرانی تعلیم کو پھر زندہ کریں جس میں ایک ہی شخص بچوں کی تعلیم و تربیت کا کفیل ہو، محلہ یا بستی والے ایمانی جذبہ کے ساتھ ان کا خرچ برداشت کرلیں

(خطبہ صدارت دینی تعلیمی کانفرنس سہارن پور، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، ۲۲)

اسلامی تعلیمات

کسی بھی گناہ کو معمولی نہ سمجھے

توبہ میں جلدی کرے

{افادات : حضرت تھانویؒ}

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُم وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللهِ عَظِيمٌ

(یاد کرو اس وقت کو جب تم اُس (بہتان اور الزام) کو لے رہے تھے اپنی زبانوں پر، اور کہہ رہے تھے اپنے منھ سے وہ بات جس کی تم کو مطلق خبر نہ تھا، اور تم سمجھ رہے تھے اس کو معمولی بات، جب کہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی)۔

یہ سورۂ نور کی آیتیں ہیں، ان میں ایک خاص گناہ کو ہلکا سمجھنے کی مذمت بیان کی گئی ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا خاص اسی گناہ کو معمولی سمجھنا برا ہے (جیسا کہ سبب نزول کا مقتضی ہے) یا ہر گناہ کو جب کہ وہ کبیرہ ہو؛ ہلکا سمجھنا مذموم ہے۔

سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کسی گناہ کی تخصیص نہیں، کیونکہ سبب نزول سے جگہ کی تخصیص تو ہوا ہی نہیں کرتی، رہا شبہ "عظیم" کی تخصیص کا؛ سو ہر گناہ گو وہ صغیرہ ہو، اپنی حقیقت کے اعتبار سے عظیم ہی ہے، کیونکہ گناہ کی حقیقت اللہ جل جلالہ کی نافرمانی ہے۔

گناہ کی بڑائی

اور ظاہر ہے کہ نافرمانی گو کسی قسم کی ہو زیادہ ہی بری ہے، اور گناہوں کے درجات میں جو چھوٹائی بڑائی کا تفاوت ہے وہ ایک امر اضافی ہے، کہ ایک بہت بڑا گناہ ہے اور دوسرا اس سے چھوٹا، ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے سب گناہ بڑے ہی ہیں، کسی کو ہلکا نہ سمجھنا چاہئے، اس چھوٹے بڑے ہونے کی ایسی مثال ہے جیسے آسمانِ دنیا عرش سے تو چھوٹا ہے، مگر حقیقت چھوٹا نہیں ہے، دوسری مثال ناپاکی اور گندگی کی

ہے، تھوڑی ہو یا بہت، مگر حقیقت تو دونوں کی پلیدی ہی ہے، اور راز اس میں یہ ہے کہ جتنی کسی کی عظمت اور احساس ہوتا ہے اتنی ہی اس کی نافرمانی کرنا بری بات ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور احسان کے برابر نہ کسی کی عظمت نہ کسی کا احسان، تو اس کی نافرمانی سب سے زیادہ بری ہوگی، پس وہ اپنی اس حقیقت اور مقتضی کے اعتبار سے عظیم ہی ہوگی، اسی راز کی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ استخفاف گناہ (یعنی ہلکا اور معمولی سمجھنا) کفر ہے؛ گو صغیرہ ہی ہو، غرض خدا تعالیٰ کی ہر نافرمانی ''عظیم'' ہی ہے، اور اس اعتبار گذشتہ آیت میں مذکور توبیخ ہر گناہ کو عام ہوئی۔

گناہ کی چنگاری

گناہ کی مثال تو آگ کی سی ہے، ایک چنگاری بھی مکان جلانے کے لیے کافی ہے، اور بڑا انگارہ بھی، پس صغیرہ چنگاری ہے، اور کبیرہ انگارہ، لہذا عمل کرنے کے لیے یہ پوچھنا کہ یہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ؟ شبہ میں ڈالتا ہے کہ اگر کبیرہ ہوگا تو بچیں گے، اور اگر صغیرہ ہوا تو خیر! ہم ایسے شخص سے اجازت لیتے ہیں کہ لاؤ تمہارے چھپر میں چھوٹی سی چنگاری رکھ دیں، اگر یہ ناگوار ہے تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کیسے گوارا ہے؟ وہ چنگاری گو چھوٹی ہو مگر پھیلتے پھیلتے انگارہ ہی ہوجائے گی، اسی طرح آدمی اول صغیرہ کرتا ہے، اور وہ چھوٹتا نہیں، اس اصرار سے وہ صغیرہ، کبیرہ ہوجاتا ہے، اور زیادہ مدت تک کرتے رہنے سے اس کو ہلکا ہی سمجھنے لگ جاتا ہے، اس وقت نعوذ باللہ کفر کا اندیشہ ہوجاتا ہے۔

توبہ برلب:

بعضے توبہ کے بھروسہ گناہ کرتے ہیں، اور یہ سخت غلطی ہے، کیونکہ جب گناہ کی عادت ہوجاتی ہے پھر توبہ بھی مشکل ہوجاتی ہے، اس لیے نئے گناہ سے جن کی ابھی لذت نہیں رچی؛ توبہ آسان ہے، اور عادت والے گناہ سے توبہ بہت مشکل ہے، علاوہ اس کے جب چھوٹے گناہوں سے اجتناب نہیں کیا جاتا ہے تو طبیعت بے باک ہوجاتی ہے، اور دل کھل جاتا ہے، پھر رفتہ رفتہ کبیرہ بھی ہونے لگتے ہیں، جیسے صاف کپڑے کو بارش میں کیچڑ وغیرہ سے بچایا جاتا ہے، اور جب بہت چھینٹے پڑ جاتے ہیں تو پھر دامن کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے، اور وہ کپڑا بالکل خراب ہوجاتا ہے، ایسا ہی گناہ کا معاملہ ہے کہ جس گناہ کی طبیعت عادی ہوجاتی ہے وہ پرانا ہوجاتا ہے، اور چھوٹتا نہیں، مثلاً زمینداروں کاشتکاروں وغیرہ میں یہ گناہ بمنزلۂ عادت ہو گئے

ہیں: غصب، ظلم، بیع باطل، جیسے آم اور بیر کی بیع، اور یتیموں نابالغوں کے مال میں تصرف، البتہ شراب نہیں پئیں گے، تو یہ تفاوت اسی عادت کے ہونے نہ ہونے سے ہے، پس ثابت ہو گیا کہ عادت ہو جانے سے اصرار، واستخفاف بلکہ استحسان تک کی نوبت آ جاتی ہے، ایسے میں توبہ مشکل ہو جاتی ہے، اور اگر ہوتی بھی ہے تو زبانی، جیسے کسی نے کہا ہے ؎

سبحہ در کف، توبہ بر لب، دل پر از ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

چنانچہ ان امور سے توبہ تو کیسی؟ اور الٹے ان کے ترک کو خلاف ریاست اور ذلت سمجھتے ہیں، اور گناہ سے دل برا نہیں ہوتا، حالانکہ ایمان کی نشانی یہ ہے: "**سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَاءَتْکَ سَیِّئَتُکَ**" (یعنی نیکی کر کے خوشی ہو، اور برائی سے دل کڑھے) غرض توبہ ان وجوہ سے مشکل ہو جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کے بھروسہ گناہ کرنا نہایت حماقت ہے، مگر نادان پھر بھی دھوکے میں ہیں، اور توبہ کے توقع پر گناہوں پر دلیری کرتے ہیں، اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی کے پاس مرہم ہو اور اس کے بھروسے اپنی انگلیاں آگ میں جلا لیتا ہو، کیا یہ شخص پورا احمق نہیں ہوگا؟ کیا کسی اہل عقل نے کبھی ایسا کیا ہے؟ جب آگ پر دلیری نہیں کی جا سکتی، تو دوزخ کی آگ تو اس آگ سے ستر حصہ زیادہ تیز ہے۔

توبہ کی حقیقت:

توبہ کی حقیقت ہے: ندامت، جس کو یوں بھی تعبیر کیا گیا ہے: "**تحرُّق الحشاء علی الخطأ، وتألُّم القلب علی الاثم**" یعنی توبہ نام ہے غلطی ہو جانے پر دل کے کڑھنے اور جلنے کا، اور اس کا تکملہ ہے: اللہ تعالیٰ کی عظمت کا استحضار اور اس کے عذاب کا مراقبہ، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَکَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِم**" مطلب یہ کہ اگر ان سے گناہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عذاب کو یاد کرتے ہیں، یہاں پر ذکر اللہ میں مضاف محذوف ہے، یعنی: "ذکروا عذاب اللہ أو عظمة اللہ" اور واقعی اللہ تعالیٰ کی عظمت ایسی ہی چیز ہے کہ اس کے یاد رکھنے سے نافرمانی نہیں ہو سکتی، اور وہ ہے بھی قابل یاد رکھنے کے، پس اس کو دل سے بھلا کر اس کی نافرمانی پر کمر باندھ لینا بڑی بیبا کی کی بات ہے۔

فراغت کی قدر:

بعضے منتظر رہتے ہیں کہ فلاں کام کر کے توبہ اور تدارک کر لیں گے، حالانکہ ممکن ہے کہ اس کو موانع

کے ہجوم سے اتنی مہلت ہی نہ ملے، اس لیے اس وقت کی فراغت کو غنیمت سمجھے، اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عذاب کا مراقبہ کرنے سے توبہ نصیب ہوتی ہے تو اب دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ اس مراقبہ کے لیے بھی فرصت اور فراغ کی ضرورت ہے، بعض لوگ اس فراغ کی بھی قدر نہیں کرتے، حالانکہ وہ بہت بڑی غنیمت چیز ہے، حدیث میں ہے: ''**اغتنم خمساً قبل خمس**'' اور ان میں سے ایک یہ ہے: ''**فراغک قبل شغلک**'' مشغول آدمیوں کی حالت میں غور کرنے سے فراغ کی قدر معلوم ہوتی ہے، وہ بیچارے ہر وقت بلا میں مبتلا ہیں، ان کو کوئی وقت فرصت کا اور سوچنے کا نہیں ملتا، بس یہ حالت ہے کہ: ع چو میر د مبتلا میرد، چو خیزد مبتلا خیزد

اور اسی حدیث شریف میں دوسری چیز ہے: ''**صِحَّتَکَ قَبْلَ سُقْمِکَ**'' تیسری ''**شَبَابَکَ قَبْلَ هَرَمِکَ**'' نیز حدیث شریف میں: ''**مَنْ اَصْبَحَ آمِنًا فِي سِرْبِه مُعَافيً فِيْ جَسَدِهٖ وَعِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِه فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيْرِهَا**'' (جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اپنی ذات میں مامون ہو، اپنے جسم میں صحتمند ہو، اور اُس دن کی روزی رکھتا ہو تو گویا اس کے لیے پوری دنیا جمع کر دی گئی) واقع میں یہی بات ہے، کیونکہ اگر زیادہ بھی ہو تب بھی اس کے لیے تو ہر روز ایک ہی دن کی روزی آئی گی، لہذا اس میں یہ اور قلیل والا برابر ہی ہوئے۔

چنانچہ اِسی زمانے کے ایک متمول کی حکایت ہے کہ وہ ایک روز اپنے خزانہ کو دیکھنے گیا جو زیر زمین بڑے مکان میں تھا، اور وہ مکان گاہ گاہ کھلتا تھا، اتفاق سے اس کو وہاں دیر لگ گئی، اور کسی کو خبر تھی نہیں، ملازموں نے دروازہ بند کر لیا، مکان بہت بڑا تھا، دروازوں کا سلسلہ بڑی دور تک تھا، اور یہ اتنا اندر تھا کہ وہاں سے آواز باہر نہیں آسکتی تھی، الغرض وہ یہودی وہاں جواہرات کے ڈھیروں میں بھوکا پیاسا مر گیا، اس وقت کوئی اس سے پوچھتا تو اس کے نزدیک ایک بسکٹ اور پانی کے سامنے سارا خزانہ ہیچ تھا۔

توبہ میں جلدی:

الغرض فراغ، صحت اور ضروری سامان خرچ یہ بہت غنیمت چیزیں ہیں، یہ ہر وقت میسر نہیں آتیں، اس لیے ان کو غنیمت سمجھے، اس وقت کی فرصت کو ہاتھ سے نہ دے، اور توبہ بہت جلدی کر لے، بعضے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے ناز پر توبہ نہیں کرتے، حالانکہ رحمت اور مغفرت کی خبریں اس

لیے دی گئی ہیں کہ تائب کو یاس نہ ہو، جرأت و دلیری کے واسطے نہیں کہ اور دلیر ہو کر گناہ کرو، بلکہ احسان اور رحمت خداوندی کی اطلاع کا مقتضاء یہ تھا کہ متأثر ہو کر اور بھی طاعت اور فرمانبرداری کرتے، نہ کہ اور جرأت، گستاخی اور نافرمانی کی جائے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو وہ اور زیادہ محبت واطاعت کرتا ہے، نہ کہ مخالفت وسرکشی۔

لذت گناہ:

رہا یہ اشکال کہ واقعی اس کا مقتضاء تو یہی تھا، مگر ایک دوسرا مقتضاء کہ لذت ہے؛ غالب ہو گیا، چنانچہ گناہ میں ظاہر ہے کہ کیسا مزہ اور لذت ہے، اس لیے اس کو چھوڑنا مشکل ہے، سو اگر ادراک صحیح ہو تو یہ بات بالکل ٹھیک نہیں، کیونکہ گناہ میں جو لذت ہے اس کی مثال کھجلی جیسی ہے کہ خود اس میں کوئی لذت نہیں، محض مرض کی وجہ سے لذت معلوم ہوتی ہے، پھر فوراً ہی سوزش پیدا ہوتی ہے، سو یہ دراصل مرض ہے، جیسا کہ سانپ کے کٹے ہوئے کو کڑوا بھی میٹھا معلوم ہونے لگتا ہے، سو کسی عاقل کو ایسی لذت؛ علاج سے نافع نہیں ہوتی۔

لذت طاعت:

البتہ حقیقی لذت طاعت میں ہے، چونکہ ان لوگوں نے ابھی اعمال آخرت، پرہیزگاری اور طاعت کی لذت چکھی نہیں، اس لیے گناہ اور نفسانی لذات ان کو مرغوب معلوم ہوتی ہیں، آخرت اور پرہیزگاری کی لذت حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے پوچھئے، کہ کس طرح اس کے پیچھے سلطنت کی لذت ترک کر دی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس لذت کے پیچھے شاہانہ لباس ترک کر کے غریبانہ کپڑوں پر کفایت کی، بلکہ یہ دنیوی لذتیں و نعمتیں تو جان کے لیے عذاب ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَا تُعْجِبْکَ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ إِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ بِھَا فِي الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا“

(آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اُن (کافروں ومنافقوں) کے مال اور اولاد، اللہ تعالیٰ تو ان کو (اِن کے ذریعہ) عذاب دینا چاہتا ہے دنیا میں (بھی)۔

نافرمانی کا اثر:

حقیقت میں آرام تو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں ہے: ”اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ“ نافرمانیوں کی بدولت طرح طرح کی بیماریاں (ایڈز، کینسر وغیرہ) آپس کی نااتفاقیاں وغیرہ ظہور

میں آتی ہیں، اوران بیماریوں کے ظاہری اسباب گوامورطبعیہ ہوں؛ مگر حقیقی اوراصلی اسباب معاصی ہی ہیں، اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ سزا تو ہو گناہ کی وجہ سے، مگر ظہور اس سزا کا اسباب طبعیہ کے ذریعہ سے ہوا ہو، لوگ چونکہ گناہوں کو ان امراض کا سبب نہیں قرار دیتے ہیں اس لیے صرف طبی علاج کرتے ہیں، اوراصل علاج کہ استغفار ہے وہ نہیں کرتے، وہ بھی کرنا چاہئے۔

گناہوں سے مصائب کا آنا نصوص سے ثابت ہے: ''مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُم'' ایک بزرگ گھوڑے پر سوار تھے، وہ شوخی کرنے لگا، فرمانے لگے: ہم سے آج کوئی گناہ ہو گیا ہے، اسی کی وجہ سے یہ ہماری نافرمانی کرتا ہے۔

طاعت کا اثر:

اس کے مناسب جناب پیرومرشد حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمۃ کی حکایت ہے کہ ایک دن پیران پیر (کلیر) سے واپس ہوتے ہوئے سہانپور تشریف لائے، لوگوں نے آپ کو ایک ایسے مکان میں ٹھہرایا جہاں ایک جن سخت آزار پہنچا ہوا تھا، حتی کہ وہ مکان بالکل معطل چھوڑ دیا گیا تھا، جب حضرت رات کو اٹھے، دیکھتے کیا ہیں کہ ایک آدمی آیا اور سلام اور مصافحہ کرکے بیٹھ گیا، حضرت نے تعجب سے پوچھا کہ تم کون ہو؟! کیونکہ مکان بند تھا، اس نے عرض کیا: میں ایک جن ہوں، اور میری ہی وجہ سے یہ مکان خالی پڑا ہے، حضرت حاجی صاحب نے فرمایا: تم کو خدا کا خوف نہیں کہ لوگوں کو تکلیف دیتے ہو؟ اس نے عہد کیا کہ میں اب تکلیف نہ دوں گا اس کے بعد وہ جن اس مکان سے چلا گیا اور وہ مکان آباد ہو گیا، تو یہ اثر جن پر حضرت کی طاعت ہی کا تھا۔

اعمال کا دھوکہ:

آج کل اول تو گناہ کو مصیبت کا سبب ہی نہیں سمجھتے، اور اگر کوئی سمجھا بھی ہے تو اپنے گناہ کو نہیں، بلکہ دوسرے کے گناہ کو، پہلے بزرگوں کی حالت اس کے برعکس تھی، حضرت ذوالنون مصریؒ سے لوگوں نے درخواست کی کہ حضرت بارش نہیں ہوتی، فرمایا میں سب سے زیادہ گناہ گار ہوں شاید بارش میری وجہ سے نہیں ہوتی، لہذا ہم لوگوں کو اپنے گناہوں پر نظر کرنی چاہئے، مگر آج کل بجائے گناہ کے اپنی خوبیوں پر نظر ہوتی ہے، حالانکہ وہ خوبیاں ہی کیا ہیں، اوراس کی خبر نہیں کہ ہمارے ناقص اعمال درگاہ خداوندی کے قابل

ہر گز نہیں ہو سکتے ہیں، تو یہ سب محض دعویٰ اور پندار ہے۔

ہم لوگ اپنے جن اعمال خیر پر نازاں ہوتے ہیں وہ خیر صرف ہمارے گمان ہی کے موافق ہے، ورنہ حقیقت میں بوجہ خلاف طریق اور بے ضابطہ ہونے کے قابل قبول بھی نہیں، مثال کے طور پر یاد آیا کہ ایک شخص بے طور مجھ کو پنکھا جھلنے لگے، مجھ کو ناگوار ہوا، اب وہ صاحب تو سمجھتے ہوں گے کہ ہم خدمت کررہے ہیں اور آرام دے رہے ہیں، مگر یہاں اس کے خلاف کلفت اور کدورت ہورہی ہے۔

اور بعض لوگ اپنے ہی گناہوں کو مصائب کا سبب سمجھ کر طاعت و استغفار میں مشغول ہوتے ہیں، مگر اس استغفار اور عبادت میں ابتداء سے یہ نیت ہوتی ہے کہ جب یہ مراد حاصل ہوجائے گی تو اس کو چھوڑ دیں گے، مثلاً طاعون کے زمانے میں نماز پڑھتے ہیں، مگر اس کے ختم کے ساتھ ہی اس کو بھی چھوڑ دیتے ہیں، یہ تو بالکل دھوکہ کی صورت ہوگئی، اسی باب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو: ''دعانالجنبه أو قاعداًأو قائماً'' (اٹھتے بیٹھتے ہم کو ہی پکارتا ہے) اور جب اس کی تکلیف جاتی رہتی ہے تو احسان ناشناسی سے اس کی حالت یہ ہوجاتی ہے: ''كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ'' (گویا کسی مصیبت میں ہم کو کبھی پکارا ہی نہیں تھا) ہمارے اس طرز عمل کی سزا تو بہت سخت ہونی چاہئے تھی، مگر یہ ان کی رحمت وعنایت ہے کہ باوجود اتنی خطاؤں، شوخیوں اور گستاخیوں کے روزی وعافیت ویسی ہی برقرار رکھتے ہیں۔

بہرحال گناہ کا مقتضاء کلفت ہی ہے؛ فی الحال بھی، فی المآل بھی، (اب بھی، آئندہ بھی) تو ایسی چیز میں لذت ہی کیا ہوئی، لہذا وہ اشکال دفع ہوگیا، اور گناہ کرنے کا کوئی معقول عذر نہ رہا، اور ثابت ہوگیا کہ گناہ ہلکا سمجھنے کی چیز نہیں؛ نہ اعتقاداً کہ کفر ہے، اور نہ عملاً وحالاً کہ خلاف دین اور خلاف عقل ہے، حدیث میں ہے کہ مؤمن گناہ کو ایسا سمجھتا ہے جیسے کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور وہ گرا چاہتا ہو، اس لیے اس سے بچتا اور ڈرتا ہے، اور منافق گناہ کو ایسا سمجھتا ہے جیسے ایک مکھی آکر بیٹھ گئی اور اس کو ہاتھ سے اڑادیا، اس لیے بے دھڑک گناہ کرتا ہے اور ڈرتا نہیں۔

حاصلِ مطالعہ

اللہ تعالیٰ کی سنّت وقدرت

مولانا محمد راشد گورکھپوری
شعبہ تحفظ ختم نبوت مظاہر علوم سہارنپور

عرف عام میں نظامِ کائنات یعنی سلسلہ اسباب ومسببات کو سنت اللہ کا نام دیا جاتا ہے، اور جوامر اس نظام سے الگ اور روزمرہ کے مشاہدہ کے خلاف ہو، اسے قدرت اللہ کہتے ہیں، کچھ لوگ سنت اللہ کی آڑ میں قدرت خداوندی کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔

چنانچہ ایک موقع پر ایک صاحب سے حضرت عیسی علیہ السلام کی مرفوعیت سماوی کے عنوان پر گفتگو چل رہی تھی دوران گفتگو بندہ نے آیت شریفہ پڑھی: **و ما قتلوہ یقینا، بل رفعه الله الیه و کان الله عزیزاً حکیما**، کہ قران کہتا ہے یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا اور اللہ بڑا قوت والا اور بڑا حکمت والا ہے،

موصوف نے فورا کہا کہ ماضی میں تو کبھی ایسا ہوا نہیں کہ کوئی انسان زندہ آسمان پر گیا ہو اور پھر مدت مدیدہ کے بعد اس کا نزول ہوا ہو، میں نے کہا یہ قران کہہ رہا ہے کہ اللہ قدرت والا ہے وہ عیسی کو آسمان پر اٹھا لینے پر قادر ہے، یہاں اللہ کی صفت ''عزیز'' لائی گئی ہے، جس کا معنی ہے ''الغالب ما یرید'' اور قران و حدیث میں جگہ جگہ ''**فعال لما یرید**'' اور ''**ان الله علی کل شی قدیر**'' کے الفاظ موجود ہیں اس لیے مرفوعیت سماوی پر نہ شرعی اعتبار سے شبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ عقلی اعتبار سے شک کی گنجائش ہے۔

رہا یہ سوال کہ اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش انبیاء کرام میں سے صرف عیسیٰ کو ایک طویل مدت تک کے لیے آسمان پر کیوں اٹھایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حکیم ہے، وہ اس کی حکمت جانتا ہے ''**فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمة**'' یہاں قران نے ''عزیز'' اور ''حکیم'' اللہ کی دو صفت لا کر ہر قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ کر دیا ہے۔

موصوف نے چونکہ سنت اللہ کے خلاف کچھ نہ ہونے کا سبق یاد کر رکھا تھا اس لئے انہوں نے اس کی آڑ میں قدرت خداوندی کا انکار کر دیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا، بچپن میں فصیح وبلیغ گفتگو کرنا، آسمان پر اٹھایا جانا، مدت مدیدہ کے بعد قرب قیامت میں نازل ہونا، یہ سب عجائبات قدرت ہیں ان کو عام سنت اللہ کے آئینہ میں نہیں دیکھا جاسکتا یا انہیں قانون قدرت کے خلاف کہہ کر انکار نہیں کیا جاسکتا، دراصل قوانین خداوندی یا نوامیس فطرت کی دو قسمیں ہیں نمبر (۱) عادتِ عام، نمبر (۲) عادت خاص، عام عادت سے مراد اللہ کے وہ قوانین ہیں جو اسباب ومسببات علل ومعلولات تاثیرات وتاثرات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، نباتات جمادات اور حیوانات سب اس قانون کے پابند ہیں، کسی میں اس کی مخالفت کی مجال نہیں، لا آف نیچر میں کوئی تغیر وتبدل نہیں کرسکتا، آم کے درخت میں آم کی پیداوار ہوتی ہے تربوز کی نہیں، املی کے پیڑ میں املی پیدا ہوتی ہے امرود نہیں، سیب کے درخت سے سیب پیدا ہوتا ہے انار نہیں، یہ اللہ کی عام عادت ہے، اسی طرح آگ میں جلانے کی صلاحیت ہے، پانی میں تر کرنے کی تاثیر ہے، مقناطیس میں لوہے کو کھینچنے کی استعداد ہے، زہر میں ہلاک کرنے کی خاصیت ہے، غرضیکہ سارا کارخانہ قدرت سلسلہ علت ومعلول سبب اور مسبب تاثیر وتاثر سے وابستہ ہے، یہ اللہ کی عام سنت ہے، اور عادت خاص سے مراد عجائبات قدرت اور آیات الٰہیہ ہیں، یعنی سبب وعلت کے بغیر مسبب اور معلول کو موجود کر دینا یا سبب اور مسبب کے درمیانی رشتے کو کسی چیز سے جدا کر دینا، ان ہی دونوں کو اللہ کی سنت اور اس کی قدرت بھی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عادت عامہ اور خاصہ کو سمجھنے کے لئے درج ذیل مثالیں ملاحظہ فرمائیں: ماں اور باپ دونوں کے واسطے سے اولاد ہو تو یہ سنت اللہ کہلاتی ہے اور حضرت عیسی علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہو جائیں تو اس کو آیت اللہ کہتے ہیں **و جعلنا ابن مریم و امه آیة** (مؤمنون ۵۰) ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو اپنی قدرت کا ایک نشان بنایا، **و جعلنها و ابنها آیة للعالمین** (انبیاء ۹۱) اور ہم نے مریم واس کے بیٹے کو جہاں والوں کے لئے اپنی قدرت کا ایک نشان بنایا۔

اونٹنی اونٹنی کے پیٹ سے پیدا ہو تو یہ سنت اللہ ہے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پہاڑ سے پیدا ہو جائے تو یہ آیت اللہ ہے، **والی ثمود اخاھم صالحا، قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من اله غیرہ، قد جاءتکم بینة من ربکم، ھذہ ناقة اللہ لکم آیة فذروھا تاکل فی ارض اللہ ولا تمسوھا فیاخذکم عذاب الیم** (الاعراف : آیت ۷۳) اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے فرمایا

اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے، یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لیے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالی کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا، کہ کہیں تم کو دردناک عذاب آپکڑے۔

سانپ سپنی کے انڈے سے پیدا ہو تو یہ سنت اللہ ہے اور حضرت موسی علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن جائے تو یہ آیت اللہ ہے، **فالقھا فاذا ھی حیۃ تسعی** (طہ ۲۰) لاٹھی زمین پر ڈالتے ہی سانپ بن کر دوڑنے لگی۔

جسم کا آگ میں جل جانا یہ سنت اللہ ہے اور اسباب موجود ہوتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں نہ جلنا آیت اللہ ہے **قلنا ینار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم** (الانبیاء ۶۹) ہم نے کہا کہ اے آگ! تو ابراھیم کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما القی ابراھیم علیہ السلام فی النار قال اللھم انک واحد فی السماء وانا فی الارض واحد اعبدک** (ابن کثیر ۳/۲۴۵، بیروت لبنان ۱۴۱۸ھ) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو انہوں نے فرمایا اے خدا تو آسمان میں واحد لاشریک ہے اور اس وقت زمین میں صرف میں اکیلا تیری خالص عبادت کرتا ہوں۔

دو تین انسانوں کے بقدر کھانا ان کے لئے کافی ہوجائے اور ان کا پیٹ بھر جائے یہ سنت اللہ ہے اور دو تین انسانوں کے قابل کھانا سو، دوسو انسانوں کے لیے کافی ہوجائے اور ان کا پیٹ بھر جائے اور اپنی اصل مقدار پھر بھی باقی رہے تو یہ آیت اللہ ہے۔

زمین سے پانی نکلے یہ سنت اللہ ہے اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی سے پانی کا چشمہ جاری ہو جائے تو یہ آیت اللہ ہے۔

جب قوانین فطرت کی دو قسمیں ہیں تو پھر ایک قسم کا اقرار کر کے دوسری قسم کا انکار کرنا جہالت و نادانی نہیں تو کیا ہے؟ اس لیے سنت اللہ کا ذکر کر کے آیات اللہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا، کسی شخص کو قرآن مجید میں سنت اللہ کا بیان پڑھ کر آیت اللہ کا انکار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، مثلاً قرآن کی درج ذیل آیات مبارکہ میں سنت اللہ کا بیان ہے: **قتل الانسان ما اکفرہ من ای شیئ خلقہ، من نطفۃ خلقہ فقدرہ،**

(سورہ عبس: آیات ۱۷، ۱۸، ۱۹) انسان پر اللہ کی مار ہو وہ کیسا ناشکرا ہے، اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا؟ اسے ایک نطفے سے پیدا کیا پھر اس کو اندازے پر رکھا۔

فلینظر الانسان مم خلق، خلق من ماء دافق، یخرج من بین الصلب و الترائب، (سورہ طارق: آیات ۵، ۶، ۷) انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے۔

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج، نبتلیه فجعلنه سمیعا بصیرا (سورہ دھر: آیت ۲) بے شک ہم نے انسان کو امتحان کے لئے ملے جلے نطفے سے پیدا کیا اور اس کو سننے دیکھنے والا بنایا۔

ان جیسی آیات کو لکھ کر کوئی شخص اگر کہے کہ ان آیات میں ایک اٹل قاعدہ کا بیان ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نطفہ سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا حضرت عیسی علیہ السلام بھی باپ کے نطفہ سے پیدا ہوئے اور اگر آپ کسی کو ان کا باپ نہیں مانتے تو ان کے انسان ہونے کا انکار کرو، تو ایسے شخص سے یہی کہا جائے گا کہ ان آیات میں سنت اللہ کا بیان ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اس حکم سے خارج ہیں کیونکہ وہ آیت اللہ ہیں، ان کو عام انسانوں پر قیاس نہیں کیا جائے گا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی مثال عام انسانوں سے نہ دے کر حضرت آدم علیہ السلام سے دی، چنانچہ فرمایا: **ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل آدم، خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون**، (سورہ آل عمران: آیت ۵۹) کہ عیسیٰ کی مثال اللہ کے یہاں ہو بہو آدم کی سی ہے، جسے مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا۔

اسی طرح عام انسانوں سے ان کی جداگانہ حیثیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: **و انه لعلم للساعة فلاتمترن بها** (سورہ زخرف: آیت ۶۱) اور یقیناً عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی علامت ہیں۔

جب وہ قیامت کی نشانی ہیں، تو ان کی ابتدائی زندگی کو بھی عام انسانوں پر قیاس نہ کر کے حضرت آدم علیہ السلام پر قیاس کیا جائے گا اور نازل ہونے کے بعد کی زندگی کو بھی درمیانی دور انسانیت پر قیاس نہ کر کے علامات قیامت پر قیاس کیا جائے گا، جب حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش کو ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کو پھر ایک لمبی مدت کے بعد زمین پر نازل ہونے کو اور ان کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے عجیب و غریب مظاہر قدرت کو آیات اللہ کے تحت مانیں گے تو پھر کوئی اشکال نہیں ہوگا، اب جو لوگ سنت اللہ کی آڑ میں حضرت عیسی علیہ السلام کے رفع و نزول کو نہیں مانتے وہ دراصل خدا کی قدرت اور علم کے منکر ہیں۔

تبرکات

ملفوظات

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد بستوی

معین مفتی دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور

ارشاد فرمایا: اصل رعب وہ ہے جو عظمت سے ہو اور محض غصہ سے جو رعب ہوتا ہے وہ رعب نہیں وحشت ہے۔ اس صورت میں یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ نقصان نہ پہونچادے۔ اور عظمت کے ساتھ جو رعب ہوتا ہے اس میں ایک محبوبانہ شان ہوتی ہے، دل کشی ہوتی ہے، حتی کہ اس کے غصہ کی بھی یہ کیفیت ہوتی ہے

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ ☆ ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خداداد ہیبت کی حالت یہ تھی کہ اگر وہ خود کلام میں ابتداء فرماتے تو دوسروں کو بات کرنے کی ہمت ہوجاتی تھی۔ ورنہ بڑے بڑے ویسے ہی واپس ہوجاتے تھے، یہ خداداد بات ہوتی ہے، سب خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ بندہ بن کر رہنا چاہئے خواہ رعب ہو یا نہ ہو۔

ارشاد فرمایا: آج کل بڑی دوستی اس کو سمجھا جاتا ہے کہ اس میں کوئی ناگواری اور بے لطفی کی بات کبھی پیش نہ آئے۔ مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ اور مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ دونوں کی دوستی ضرب المثل تھی۔ حضرت گنگوہیؒ نے ایک بار ان سے پوچھا کہ میاں! تم دونوں میں کبھی رنجش بھی ہوتی ہے؟ عرض کیا کہ ہوتی ہے۔ فرمایا انشاء اللہ پھر تمہاری دوستی باقی رہے گی۔

دیکھئے یہ حضرات کیسے مبصر ہوتے ہیں۔ جو چیز دوسروں کے یہاں نقص (کمی) ہے ان کے یہاں وہ کمال ہے جو دوسروں کے یہاں کمال ہے وہ ان کے یہاں نقص ہے۔..........

حقیقت میں یہ بڑی بات ہے کہ جب تک شکایت رہے دوستی باقی ہے کیونکہ شکایت اسی وقت ہوتی ہے جب تک تعلق کا باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے اور قطع تعلق کے بعد شکایت کو بے کار سمجھتے ہیں۔

ارشاد فرمایا : جن لوگوں پر ڈانٹ ڈپٹ اور روک ٹوک زیادہ کرتا ہوں واقعہ یہ ہے کہ ان کے متعلق میرا جی یہ چاہتا ہے کہ یہ مجھ سے اچھے ہوجائیں۔تو عام لوگ اس کو عدم مناسبت اور بے تعلقی کی دلیل سمجھتے ہیں ، دیکھئے جس لڑکے کو استاذ ڈانٹتا ڈپٹتا رہتا ہے سمجھ لو کہ اس کی طرف خاص توجہ ہے،شفقت ہے،اس کوکسی قابل بنانا چاہتا ہے۔

ارشاد فرمایا: سلطنت اور حکومت تو عالمگیرؒ نے کی ہے، کسی پر ظلم نہیں کیا۔عدل وانصاف کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، مظلوم کی ہمیشہ دادرسی کی۔کسی جگہ کی نسبت معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ کسی قابو یافتہ شخص نے کسی پر ظلم کیا ہے تو خود وہاں غیر شناسا ہیئت میں پہونچتے اور تحقیق کرتے اوراس کا تدارک کرتے۔خدادادا رعب تھا ہیبت تھی۔

حقیت یہ ہے کہ سلطنت اور حکومت کرنا تو دینداروں ہی کا کام ہے بے دینوں کا کام نہیں، پھر اگر کسی جگہ بددین مسلط ہوں تو میں یہ کہا کرتا ہوں کہ ان بددینوں میں خوبی نہیں جس کی وجہ سے ان کو سلطنت دی گئی ہے، بلکہ ہماری بداعمالی اور ہمارے نقص کی وجہ سے سزا کے طور پر ہم پر ان کو مسلط کیا گیا ہے، پھر فرمایا کہ عالمگیر متبع شریعت وسنت تھے، اس لئے وہ حدود سے تجاوز نہیں کرسکتے تھے، ان کوخواہ مخواہ بدنام کیا گیا ہے۔میں ان کے مزار پر گیا ہوں حیدرآباد دکن سے واپسی پر اتفاق ہوگیا تھا مزار پر انوار معلوم ہوتے تھے اور یہ اتباع سنت کی برکت ہے۔

ارشاد فرمایا: کہ آج کل اکثر علماء ومشائخ نے خود ایسا طرز اختیار کررکھا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو ان کو نظر تحقیر سے دیکھنے کا موقع ملا۔ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ ایسے طرز سے بحمدللہ اجتناب کیا ہے۔

ارشاد فرمایا: کہ خلوص بڑی چیز ہے اور یہ اکثر غرباء میں ہوتا ہے اور امراء میں فلوس تو ہوتا ہے، مگر خلوص نہیں ہوتا۔ایک غریب شخص نے مجھ کو ایک اکنّی دے کر کہا کہ میں ایک پیسہ دینا چاہتا ہوں ، تین پیسے واپس کردو، میں نے ایسا ہی کیا۔بھلا اس میں کیا ریاکاری ہوسکتی ہے سو غرباء سے میرا ہمیشہ یہ معاملہ رہا ہے محض ان سے خلوص کیوجہ سے۔

واقعات اتاویٰ

فتاویٰ مظاہر علوم

مفتی بشیر احمد سہارنپوری

نائب مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

مردوں کو انگوٹھی پہننے کا حکم

مرد انگوٹھی پہن سکتا ہے البتہ چند چیزوں کا خیال ضروری ہے:

(الف) صرف چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، اس کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی یا چھلا پہننا جائز نہیں ہے۔

(ب) صرف ایک انگوٹھی پہننا جائز ہے، ایک سے زائد جائز نہیں ہے، نہ ایک ہاتھ میں اور نہ دو ہاتھوں میں۔ اسی طرح صرف ایک نگ کی انگوٹھی ہو، دو تین نگوں کی انگوٹھی جائز نہیں۔

(ج) انگوٹھی کا وزن چار گرام ۳۷۴ ملی گرام تک ہو۔ اس سے زائد وزن کی انگوٹھی جائز نہیں ہے، البتہ اگر چاندی تو اتنی ہی مقدار میں ہو مگر نگینہ کی وجہ سے اس سے زائد وزن ہو جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔

(د) اولیٰ یہ ہے کہ انگوٹھی بائیں ہاتھ کی آخری انگلی میں پہنی جائے اور اس کے نگ کا رُخ بھی اندر کی جانب رہے۔

ولایتحلی الرجل بذهب وفضة مطلقاً الا بخاتم... ولا يتختم الا بالفضة لحصول الاستغناء بها فيحرم بغيرها كحجر... والعبرة بالحلقة من الفضة لا بالفص... ويجعله لبطن كفه في يده اليسرى وقيل اليمنى الا انه من شعار الروافض فيجب التحرز عنه... وينبغي في خنصرها دون سائر اصابعه دون اليمنى (الدر المختار ورد المختار ۵/۲/۵ و ۲۳۰) وانما يجوز المتختم بالفضة اذا كان على هيئة خاتم الرجال اما اذا كان على هيئة خاتم النساء بان يكون له فصان او ثلاثة يكره استعماله للرجال۔ (الفتاوى الهندية ۵/۳۳۶)

داڑھی رکھنے کا حکم اور اس کی حدودِ اربعہ

مرد کو ایک مشت داڑھی رکھنا واجب و فرض ہے اور اس سے کم داڑھی رکھنا یا بالکل منڈا دینا حرام و ناجائز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں داڑھی رکھنے کا امر فرمایا ہے، خود آپ کا چہرہ مبارک داڑھی سے مزین تھا جس کے بارے میں آپ فرماتے تھے کہ ''میرے رب نے مجھے داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے''، تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کے چہروں پر داڑھیاں تھیں، خلفاء راشدین اور سب صحابۂ کرام داڑھی رکھنے کا اہتمام کرتے تھے، لہٰذا جو لوگ اس کو محض ایک عام سنت سمجھ کر اس کے تارک ہیں وہ سخت مغالطہ کا شکار ہیں۔

اوپر کی جانب کانوں کے سامنے اُبھری ہوئی ہڈی سے داڑھی کی ابتداء ہوتی ہے اور نیچے کی جانب حلق کی اُبھری ہوئی ہڈی پر اس کی انتہاء ہوتی ہے، اس حصہ پر جو بال ہیں وہ سب داڑھی کی حد میں داخل ہیں، جن میں ہونٹ کے نیچے کے بال بھی داخل ہیں، جن کو ''ریش بچہ'' کہا جاتا ہے، البتہ رخسار کے بال اس سے خارج ہیں، لہٰذا ان کو کٹا سکتے ہیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: داڑھی اور انبیاء کی سنتیں از مفتی سعید احمد پالن پوریؒ امداد الفتاوی ۴/۲۲۰)

خطبۂ جمعہ اور خطبۂ عیدین میں فحش غلطی سے نماز کا حکم

جمعہ و عیدین کے خطبہ میں قرآنی آیات وغیرہ میں کوئی ایسی غلطی ہو جائے جو نماز کے حق میں مفسد ہو تو خطبہ میں ایسی غلطی نماز کی صحت پر اثر انداز ہوگی یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں خطیب کو دوران خطبہ لقمہ دیا جائے یا نہیں؟

اس کا حکم یہ ہے کہ خطبۂ جمعہ ہو یا خطبۂ عید، اس میں ایسی فحش غلطی نماز کی صحت پر اندازنہیں ہوگی، خطبۂ عیدین؛ تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس کا نماز سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور خطبۂ جمعہ اگرچہ شرط صلوٰۃ ہے، مگر وہ علی الاطلاق مثلِ صلوۃ نہیں ہے۔

اس وجہ سے خطیب کو دوران خطبہ لقمہ بھی نہیں دیا جائے گا، خطبہ و نماز سے فراغت کے بعد تنبیہ کی جاسکتی ہے:

وھل ھی قائمۃ مقام رکعتین، الاصح لا، ذکرہ الزیلعی، بل کشطرھا فی الثواب... ولذا لایشترط لھا سائر شروط الصلوٰۃ کالاستقبال والطہارۃ وغیرھا۔ (الدرالمختار ورد المختار ۱/۵۴۵)

غیر مسلم کو نمستے کہنے، سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کا حکم:

(الف) غیر مسلم کو دیکھ کر خود سے سلام میں پہل کرتے ہوئے نمستے یا نمسکار کہنا یا اس کے نمستے یا نمسکار کے جواب میں نمستے یا نمسکار کہنا بالکل جائز نہیں ہے۔

(ب) اسی طرح غیر مسلم کو دیکھ کر سلام میں پہل کرتے ہوئے خود سے ''السلام علیکم'' کہنا بھی جائز نہیں ہے، اگر اس کے لئے سلام میں پہل کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو ''آداب'' وغیرہ کہا جائے یا ہاتھ سے صرف سلام کا اشارہ کر دیا جائے۔

(ج) اگر غیر مسلم سلام کرے تو جواب میں صرف ''وعلیکم'' یا ''السلام علی من اتبع الهدیٰ'' یا ''آداب'' وغیرہ کہا جائے۔

ویسلم المسلم علی اهل الذمة لو له حاجة الیه و الا کره وهو الصحیح... ولو سلم یهودی او نصرانی او مجوسی علی مسلم فلا بأس بالرد ولکن لا یزید علی قوله "وعلیک"

(الدر المختار ورد المختار ۵/ ۲۶۴)

حرام رقم سے کئے گئے حلال کاروبار کا حکم:

اگر کسی کے پاس حرام رقم موجود ہو اور وہ اس سے کوئی حلال کاروبار کر کے آمدنی حاصل کرے تو ایسا کرنے اور ایسے کاروبار و آمدنی کا کیا حکم ہے؟

از روئے شرع حرام رقم کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ جس جگہ سے وہ رقم حاصل کی گئی ہے وہیں اس کو واپس کیا جانا ضروری ہے، وہاں واپسی ممکن نہ ہو تو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے، اس سے کاروبار کرنا جائز نہیں ہے، لیکن ناجائز ہونے کے باوجود اگر کر لیا گیا تو وہ کاروبار اور اس سے حاصل ہونیوالی آمدنی حرام شمار نہیں ہوگی:

لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبه (شامی ۲۴۷/۵)

کما لو تصرف فی المغصوب و الودیعة بان باعه و ربح فیه إذا کان ذلک متعیناً بالإشارة أو بالشراء بدراهم الودیعة أو الغصب و نقدها... وإن أشار إلیها و نقد غیرها أو أشار إلی غیرها و نقدها أو اطلق ولم یشر و نقدها لا یتصدق فی الصور الثلاث عند الکرخی قیل و به یفتی (شامی ۵/ ۱۲۰ تا ۱۲۱)

اخبار مظاہر

انتخاب وترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مظاہر علوم کے زیر انتظام جاری مکاتب کے قرآنی مسابقے مکمل ہو گئے

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے زیر انتظام ہریانہ پنجاب ہماچل وغیرہ میں مختلف دینی مکاتب چل رہے ہیں، مولانا غلام محمد وستانوی رکن شوریٰ کی ترغیب وخواہش اور ناظم مکاتب مولانا مفتی سید محمد صالح کی تحریک پر گذشتہ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں باقاعدہ یہ تجویز منظور کی گئی تھی کہ مکاتب دینیہ میں تعلیمی استحکام، پڑھنے والوں کی ترغیب اور ان کے سرپرستان کو شوق دلانے کے لئے تمام مکاتب کے طلبہ کے درمیان ایک انعامی مقابلہ کرایا جائے، چنانچہ اس کے لئے باقاعدہ نظام بنا کر تمام مکاتب کو سات سینٹروں میں تقسیم کر کے یمنانگر ہریانہ میں ایک مسابقہ، چنڈی گڑھ میں ایک مسابقہ، سہارنپور میں دو مسابقے، پنجاب میں دو مسابقے اور ہماچل میں ایک مسابقہ مختلف تاریخوں میں منعقد کیا گیا جن میں پونے دوسو کے قریب طلبہ نے شرکت کی، اور ۲۵ر طلبہ نے اول دوم سوم پوزیشن حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ان سب پوزیشن لانے والے طلبہ کا آخری اور فائنل مسابقہ ہوا جس میں پہلی پوزیشن مکتب برنالہ پنجاب کے طالب علم محمد عمر ولد اسرار احمد نے حاصل کی، دوسری پوزیشن مکتب کوٹلی ہماچل کے طالب علم محمد فاروق ولد عبداللطیف نے حاصل کی، جبکہ تیسری پوزیشن مکتب کہرنا ہماچل کے طالب علم عبدالرحمن ولد فرید حسین نے حاصل کی۔

تمام سینٹروں پر شریک تمام طلبہ کو من جانب مظاہر علوم تشجیعی انعام (ایک چرمی بستہ، ایک ٹرافی، مسنون دعاؤں کے تین رسالے، قلم اور پنسل) دیئے گئے، اور اور اول پوزیشن پر/ 1500 روپئے، دوم پوزیشن پر/1200 روپئے اور سوم پوزیشن پر/900 روپئے من جانب مظاہر علوم دیئے گئے جبکہ فائنل مسابقہ میں انعام اول/3000، دوم/2400، سوم/1800 روپئے تقسیم کئے گئے۔

ان مسابقوں میں اساتذہ مظاہر علوم میں سے مولانا محمد احمد، قاری محمد عمار، مولانا محمد اسجد، مولانا محمد اکرم، قاری محمد اسلم، مولانا محمد اسرار، مولانا مسرور، مفتی محمد جاوید، مفتی بشیر احمد، قاری محمد معاذ، قاری احمد ہاشمی

بطور حکم (فیصل) شریک رہے، اور مولانا عبداللہ خالد، مولانا اخلاق الرحمن بطور منتظم اجلاس شریک رہے۔ فائنل اور آخری مسابقہ میں مولانا قاری محمد انیس اور مولانا محمد راشد حکم رہے۔

اس آخری فائنل مسابقہ کی آخری نشست میں مظاہر علوم سہارنپور کے تقریباً تمام اراکین مجلس شوریٰ نے شرکت کی اور اس مجلس میں رکن شوریٰ مولانا مفتی سبیل احمد صاحب چنئی نے آنے والے تمام طلبہ اوران کے سرپرستان سے خطاب کیا، اور کہا کہ دینی تعلیم خاص طور سے قرآن کریم کی تعلیم ایک مسلمان کی اساس اور بنیاد ہے، اس میں پختگی اور مہارت حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے اور اسی میں دنیا وآخرت کی بھلائی پوشیدہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ قرآن کریم کی تعلیم کے فروغ کے لئے اور دینی عقائد اور اسلامی تعلیمات کے تحفظ کے لئے اس طرح کے انعامی پروگرام اور جلسوں کا انعقاد بہت ہی ضروری ہے۔

سبھی اراکین شوریٰ نے مسابقہ کے اس نظام اوراس کی اِس عملی شکل کو بہت سراہا اور ناظم مکاتب مولانا مفتی محمد صالح اوران کے رفقاء کار، اسی طرح منتظم مسابقہ مولانا عبداللہ خالد خیرآبادی کو دلی مبارکباد دی۔

ناظم مکاتب مولانا مفتی سید محمد صالح نے اس موقع پر پورے مسابقہ کے نظام کی ایک اجمالی رپورٹ پیش کی اور بتلایا کہ ان مسابقوں کے انعقاد سے مکاتب کی تعلیم پر بہت ہی مثبت اثرات مرتب ہوئے ہیں اور بہتر نتائج سامنے آرہے ہیں

تقسیم انعامات کے بعد ناظم مدرسہ وشیخ الحدیث مولانا سید محمد عاقل صاحب کی دعا پر اس مجلس کا اختتام ہوا۔

مظاہر علوم سہارنپور کی مجلس شوریٰ کا اجلاس بخیر وخوبی اختتام پذیر

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے تعلیمی، مالی اور دیگر انتظامی امور طے کرنے کے لئے سال کے آغاز میں اس کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقد ہونے کا دستور ہے، چنانچہ اسی دستور کے مطابق ۱۳؍اگست بروز جمعرات یہ اجلاس منعقد ہوا، جس میں مظاہر علوم کے معاملات ومسائل کو حل کرنے کے لئے دوررس اثرات کی حامل تجاویز منظور کی گئیں۔

سب سے پہلے سابقہ کارروائی کی خواندگی کے بعد پیش آمدہ مسائل پر غور وخوض کے بعد اس کی سبھی اراکین نے تائید کی۔

ایک تجویز یہ منظور کی گئی کہ حیدرآباد میں منعقد کئے گئے مظاہری فضلاء کے اجلاس کی طرح اگر کسی

اور صوبہ سے مظاہری فضلاء کا مطالبہ اپنے اپنے صوبوں میں اس طرح کے اجلاس کا ہوتا ہے تو دیگر صوبوں کو اس طرح کا اجلاس منعقد کرنے کی اجازت ہے، اور اس سلسلہ میں مولانا عبد القوی حیدرآباد اور مولانا مفتی محمد معصوم ثاقب ان کی رہنمائی فرمائیں۔

سال ۱۴۴۵ھ کے لئے سالانہ بجٹ مجلس شوریٰ میں پیش ہوا، توکلاً علی اللہ تعالی مجلس شوریٰ نے ساتۃ کروڑ آٹھ لاکھ اسّی ہزار (7,08,80,000/) کا یہ بجٹ منظور کیا۔

مولانا سید محمد شاہد کی تحریک پر طے کیا گیا کہ مظاہر علوم کے لئے دو مبلغین کا تقرر کرلیا جائے اور اس سلسلہ میں حاصل ہونے والی تمام درخواستوں پر چار افراد کی ایک کمیٹی غور وفکر کرے۔

گذشتہ اجلاس شوریٰ میں مولانا سید محمد شاہد نے فتاویٰ مظاہر علوم کی ترتیب اور اس کو مرتب کرنے پر توجہ دلائی تھی، ترتیب فتاویٰ پر موجودہ اجلاس میں صدر مفتی مولانا مفتی مقصود احمد کی سفارشات کی سماعت کی گئی، مجلس شوریٰ اس کو منظور کرتی ہے اور مولانا مفتی سید محمد خالد کو ان کے سابقہ تجربات کی بنیاد پر شعبۂ ترتیب فتاویٰ کی نگرانی وذمہ داری دیتی ہے کہ وہ ترتیب فتاویٰ کا کام شروع کردیں۔

شعبۂ قضاء میں داخلہ لینے والے طلبہ کو فی طالب علم ایک ہزار روپے ماہانہ وظیفہ ماہ محرم سے ادا کیا جائے۔

سفراء حضرات کی کارکردگی کی رپورٹ شوریٰ میں پیش ہوئی، مجلس شوریٰ نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا۔

تاریخ مظاہر جلد اول مصنفہ مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث اور جلد دوم مصنفہ مولانا سید محمد شاہد نایاب ہو چکی ہیں، اہلِ علم اور ہمدردان مدرسہ کو اس کی طلب رہتی ہے، اس لئے مجلس شوریٰ دونوں جلدوں کی من جانب مدرسہ طباعت واشاعت کی اجازت دیتی ہے۔

طلبہ کو خوشخطی سکھانے کے لئے شوریٰ اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ کسی خوش خط کاتب کا تقرر کرلیا جائے۔

ڈیزل کے اسٹور کے لئے ایک محفوظ ٹنکی بنانے کی منظوری بھی دی گئی۔

سفراء مدرسہ کو سائیکل الاؤنس پندرہ روپئے یومیہ سے بڑھا کر پچاس روپئے یومیہ پر منظوری دی جاتی ہے۔

مکاتب دینیہ کی تفصیلی تعلیمی و انتظامی رپورٹ ناظم مکاتب کی جانب سے پیش کی گئی، حضرات اراکین شوری نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا اور مکاتب کے طلبہ کے قرآنی و دینی مسابقے کے اختتامی اجلاس میں شرکت فرما کر طلبہ کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

اس اجلاس میں درج ذیل حضرات نے شرکت کی۔

حضرت الحاج الشاہ حکیم محمد کلیم اللہ زاد مجدہ علی گڑھ،مولانا مفتی محمد معصوم ثاقب رائے چوٹی،مولانا محمد عارف سہارنپوری،مولانا مفتی سبیل احمد وانمباڑی،مولانا عبدالقوی حیدرآباد،مولانا روح الحق ترچی،مولانا سید محمد ساجد الحسنی سہارنپوری،الحاج ابراہیم منیار سورت،مولانا سید محمد عاقل سہارنپوری بحیثیت ناظم مدرسہ

مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری امین عام مدرسہ اپنی علالت کی وجہ سے شریک اجلاس نہیں رہے اس لئے صدر محترم کی اجازت سے مولانا سید محمد صالح نائب ناظم مدرسہ نے اجلاس شوریٰ کی کارروائی حسن وخوبی کے ساتھ چلائی۔

مظہر ختم نبوت

رحمتِ عالم کی رحمت کا یہ منظر دیکھئے
مرکز دار الاماں سفیان کا گھر دیکھئے

عبد اپنا حق نے فرمایا رسول اللہ کو
سورۂ اسرا میں یہ فرمان پڑھ کر دیکھئے

گردشِ ایام خود بڑھ کر رضا جوئی کرے
سیرت خیر الوریٰ کا بن کے خوگر دیکھئے

آئے گا آواز میں سوزِ بلالی کا اثر
صدق دل سے بادۂ توحید پی کر دیکھئے

مظہرِ ختمِ نبوت آپ ہی کی ذات ہے
آخری فرمانِ رب ”اَتْمَمْتُ“ پڑھ کر دیکھئے

دل میں ہو احساسِ عصیاں آنکھ سے آنسو رواں
عارفؔ اس عالم میں اپنا سر جھکا کر دیکھئے

کلام: حضرت مولانا فضل حق عارفؔ خیرآبادی، خیرآباد—مئو

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.
URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR



Rs. 30/-

MADRASA MAZAHIR ULOOM
SAHARANPUR-247001 (U.P.) INDIA, PH. 0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com